July-2017



جولائی ۲۰۱۷ء

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

- حضور صدرالشریعہ کے پہلے سفر حج کی روداد انھیں کی زبانی
- اسلام سے متعلق جارج برنارڈ شا کے اعترافات
- پیرس ماحولیاتی معاہدے کا پس منظر
- ہندو راشٹر کا دستور اساسی
- کیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے؟

₹15/-

فہرست مضـــامین

﴿نوٹ﴾

اداریہ

پیرس کے ماحولیاتی معاہدے کا پس منظر اور پیش منظر

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے نہایت حسین اور معتدل نظام پر پیدا فرمایا ہے۔ خصوصاً اس زمین کو جو وسیع وعریض کائنات میں ایک چھوٹی سی دنیا ہے جس پر ہم بستے ہیں آب وہوا کے اعتدال، موسم کی تبدیلی، شب وروز کے متوازن نظام، پرکیف مناظر اور جمالیاتی حسن سے معمور فرمادیا ہے۔ کہیں لہلہاتے کھیت اور سبزہ زار ہیں تو کہیں بل کھاتی پہاڑیاں اور دامن پسارے وادیاں، انھیں کے درمیان سے کہیں اچھلتے کھیلتے آبشار اور کہیں مہکتے پھولوں اور پھلوں کا لالہ زار، کہیں رواں دواں دریاؤں اور نہروں کا شور، تو کہیں خاموش ریگستانوں اور جنگلات کا سلسلہ، اس تنوع نے اس کرۂ ارض کو حسن وجمال کا شاہکار بنادیا ہے۔ سورج نکلتا ہے تو اپنی کرنوں سے دنیا کو تابانی کے ساتھ ساتھ حدّت اور حرارت بھی بہم پہنچاتا ہے، جس کے سبب زمین پر نمو ونمود اور بقائے حیات کے لیے حسب ضرورت توانائی میسر ہوتی ہے۔ خشک اور مرطوب ہواؤں سے بھی زمین پر موجود حیاتیات کو نشو ونما ملتی ہے۔

خزاں اور بہار، سردی اور گرمی کے عنوان سے موسم کی تبدیلی بھی زندگی کی کشتی رواں دواں کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سخت سردی میں شمالی خطے برف سے ڈھک جاتے ہیں اور گرمی کے موسم میں درجۂ حرارت جوں جوں بڑھنے لگی ہے برف اور گلیشیر پگھلنے لگتے ہیں جس سے باقی دنیا کے لیے پورے سال آب وہوا کا نہایت موزوں تناسب ہاتھ آتا ہے۔ اس دنیا کی شادابی کا راز درجہ حرارت کا توازن ہے۔ کسی وجہ سے مطلوبہ درجہ حرارت گھٹ یا بڑھ جائے تو اس سے نظام حیات پر نہایت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً سخت گرمی کے ایام میں درجہ حرارت اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اگر وقت پر بارش نہ ہو تو پیڑ پودے مرنے لگیں، فصلیں تباہ ہوجائیں اور جانوروں کی زندگی کے لالے پڑ جائیں۔ اور بہت زیادہ بارش ہوجائے اور سورج کی مطلوبہ حرارت نہ ملے تو نباتات سوکھنے یا سڑنے لگیں۔ لاکھوں ربانی حکمتوں میں ایک اس زمین کا متوازن درجہ حرارت اور آب وہوا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وسیع کائنات میں کرۂ ارض کو ہی انسانی زندگی کے لیے منتخب فرمایا، خلائی تحقیقات جوں جوں آگے بڑھ رہی ہیں اندازہ ہوتا جارہا ہے کہ اس سے زیادہ موزوں جگہ انسان کے لیے اِس دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔

لیکن اب انسانوں نے غیر شعوری طور پر درجۂ حرارت کے اس توازن کو بگاڑ دیا ہے، جب سے صنعتی انقلاب آیا بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے لگائے گئے، بجلی پیدا کرنے کے لیے پاور پلانٹ نصب کیے گئے، تابکاری اور ایندھن کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیے گئے جن سے بھاری مقدار میں کاربن کا اخراج کیا جانے لگا، جس نے عالمی درجہ حرارت میں اضافہ کردیا ہے۔ یعنی صنعت کے فروغ کی جو ہوڑ لگی ہوئی ہے اس نے اس دنیا کی تباہی کے بھی سامان کیے ہیں۔ عالمی درجہ حرارت (Global Warming) کے اضافے سے موسم میں تبدیلی (Climate Change) واقع ہوئی ہے، جس نے آب وہوا اور انسانی صحت کے مسائل پیدا کردیے ہیں۔ درجہ حرارت کے اضافے کے سبب بڑے بڑے گلیشیرز پگھل کر سطح سمندر میں اضافہ کررہے ہیں، جس کے سبب بہت ساری ساحلی آبادیوں کے آئندہ نیست ونابود ہوجانے کے خطرات پیدا ہوچکے ہیں، ماحولیات کے ماہرین مختلف ساحلی علاقوں کے بارے میں ایک اندازہ بھی دیتے ہیں کہ کتنے

سالوں میں کون سی آبادی سمندر میں شامل ہو چکی ہوگی۔

درجہ حرارت کے اضافے کا سب سے بڑا سبب بڑے بڑے الکٹرک پاور پلانٹ ہیں جن سے بجلی پیدا کی جاتی ہے، یہ فضا میں سب سے زیادہ کاربن چھوڑتے ہیں۔ دوسرا سبب مرور ایام کے ساتھ جنگلات میں واقع ہونے والی کمی ہے جو کہ کاربن گیسوں کا مداوا ہیں۔ تیسرا سبب، گاڑیوں، فیکٹریوں اور مختلف انجنوں سے نکلنے والے دھوئیں جو فضائی اور آبی آلودگی میں تیزی سے اضافہ کر رہے ہیں جن کے سبب انسانوں میں پھیپھڑے اور جلدی امراض میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ جب یہ دھوئیں اور بخارات سورج کی شعاعوں سے ٹکراتے ہیں تو زہریلی گیس کی شکل اختیار کر جاتے ہیں جسے Ozone smog کہا جاتا ہے جو نباتاتی اور انسانی زندگی کے لیے زہر ہے۔ یہ Ozone بھی دھوئیں اور بخارات کے اس حلقے کا حصہ ہوتا ہے جو سطح زمین کے اوپر پایا جاتا ہے جسے گرین ہاؤس کہتے ہیں جو آبی بخارات، کاربن اور Methane کا مجموعہ ہوتا ہے، ان گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کمی کر کے ہی اس کی سطح کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے

1880 میں عالمی درجۂ حرارت کو ریکارڈ کرنے کا طریقہ کار متعارف کرایا گیا، اس کے بعد سے سال 2014 سب سے گرم سال ریکارڈ کیا گیا، جس نے پوری دنیا کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک نے اس سلسلے میں پیش رفت کی اور عالمی مزاج بنانے کی کوشش کی کہ پاور پلانٹ فیکٹریوں اور گاڑیوں سے نکلنے والی آلودگی پر کنٹرول کرنے کی حکمت عملی تیار کی جائے۔ 2015 کی گرمی میں امریکہ کے ماحولیاتی تحفظ کی ایک تنظیم Environmntel Protect Egency نے ایک منصوبہ بنایا جسے Clean Power Plan کا نام دیا جو پاور پلانٹ سے کاربن کے اخراج کی تحدید کرنے کی سمت پہلا قدم تھا۔

ایک اندازے کے مطابق کاربن اور گرین ہاؤس گیس کے اخراج میں چین سب سے آگے ہے، جو 29 فیصد اخراج کرتا ہے، امریکہ 14 فیصد، ہندوستان 7 فیصد۔

ضرورت تھی کہ اس سلسلے میں عالمی سطح پر اقدام کیا جائے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے اس سلسلے میں پرزور تحریک چلائی گئی جس نے دنیا میں پہلی بار اقوام عالم کو ایک مشترکہ ماحولیاتی مقصد کے لیے ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا۔

2015 کے دسمبر میں یو این او کے چارٹر پر فرانس کے شہر پیرس میں اس سلسلے میں ماحولیاتی کنونشن منعقد ہوئی جس کے نتیجے میں 12/دسمبر 2015 کو ''پیرس ماحولیاتی معاہدہ'' طے پا گیا۔ پیرس معاہدے کے تحت اقوام عالم کی ذمہ داری ہے کہ وہ عالمی درجہ حرارت میں اضافے کو دو ڈگری سے نیچے رکھیں اور مزید کوشش کر کے اس کو ڈیڑھ ڈگری تک محدود کیا جائے۔ 22/اپریل 2016 کو اس معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اقوام متحدہ کے ماحولیاتی کنونشن کے 195 ممالک نے اس پر دستخط کیے۔ 5/اکتوبر 2016 تک دستخط کنندہ ممالک میں سے 148 کی طرف سے اس میں شمولیت کی توثیق کی گئی۔ یہ معاہدہ 4 نومبر 2016 سے اقوام عالم پر نافذ العمل ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک مقصدِ خیر کے تحت تاریخ میں پہلی بار اقوام عالم نے جو ہمہ گیر اتحاد تشکیل دیا تھا رواں ماہ جون میں اس میں دراڑ پڑ گئی، جب اس معاہدہ کا اہم نقیب امریکہ نے اس سے باہر نکلنے کا اعلان کر دیا۔ سابق صدر اوباما، چین اور یوروپی یونین کی کوششوں سے یہ معاہدہ معرض وجود میں آیا تھا، لیکن جب امریکی ایوان صدارت میں صدر ٹرمپ پہنچے تو بہت کچھ بدل دینے کا ارادہ لے کر پہنچے، اور من جملہ ان کے عزائم میں ''پیرس ماحولیاتی معاہدہ'' پر بھی ان کا نشانہ تھا، جسے انھوں نے سعودی عرب اور اسرائیل کے دورے سے واپس آتے ہی کر دکھایا۔ جس پر اقوام عالم نے مذمتی تاثرات کی بوچھار کر دی۔

حضرت مفتی شعیب رضا نعیمی کی رحلت سے خانوادۂ اعلیٰ حضرت کو شدید صدمہ

مفتی شعیب رضا نعیمی گزشتہ ۱۱ر جون بروز اتوار ۱۱ بجے دن میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔ موصوف کئی ماہ سے علیل تھے۔ بالآخر قضائے الٰہی سے اپنی جوانی میں رحلت فرما گئے۔ موصوف فاضل علوم دینیہ اور علم دوست شخصیت کے مالک تھے۔ حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی دامادی کی سعادت بھی انھیں حاصل تھی۔ ذاتی طور بھی وہ متعدد اخلاقی اور علمی اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔ حق گوئی کی جرأت رکھتے تھے، اصابت رائے، معاملہ فہمی، اور دور اندیشی جیسے اوصاف ان میں پائے جاتے تھے۔ حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کے ملکی و بیرونی اسفار میں ساتھ ہوتے تھے اور خود بھی دورے کرتے تھے۔ بڑی سلجھی تقریر کرتے تھے۔ منکسر مزاج اور سادہ طبیعت رکھتے تھے، ورنہ عظیم شخصیت کی دامادی کا شرف جسے حاصل ہو اس کے اپنے نخرے ہوتے ہیں، تعلّی اور عجب نفس کے پیدا ہوجانے کے امکانات کافی بڑھ جاتے ہیں، لیکن موصوف اس قدر تا آں قدر ہر ایک سے گھل مل جاتے تھے۔ اور ملنے والوں کو پورا وقت دیتے تھے۔ کبھی محسوس نہ ہوا کہ پندارِ علم وشرف میں مبتلا ہیں، بلکہ حضور تاج الشریعہ سے نسبت کے سبب جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انھیں بخوبی نبھانے کی کوشش کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور تاج الشریعہ کو آپ پر اعتماد تھا، اس قدر اعتماد کہ آپ نے ان کو اپنا وکیل بالبیعت بھی بنا دیا تھا۔ شرعی کونسل بریلی شریف کے فقہی سیمینار کی نشستوں میں پابندی سے شریک ہوتے اور فقہی ابحاث میں بھی حصہ لیتے جس سے ان کے علمی شغف کا اندازہ ہوتا۔ تاج الشریعہ مدظلہ العالی کا وسیع ترین عالمی حلقۂ ارادت وعقیدت موصوف سے کافی مانوس تھا، جس میں ان کی رحلت کے سبب ایک بڑا خلا سا پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی رحلت سے حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی اور آپ کے اہل خانہ کو شدید صدمہ پہنچا ہے، جس کی وجہ سے ہم سبھی کو صدمہ ہے۔ ہم ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی پوری ٹیم کی طرف سے اس موقع پر حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عسجد رضا قادری مدظلہ العالی کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی رحمت وغفران کے سائے میں آخرت کے اعلیٰ مقامات سے نوازے، اور اہل خانہ کو صبر واجر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

ماحولیاتی تنظیم سے وابستہ ایک ماہر کا کہنا ہے کہ پیرس معاہدے سے الگ ہونا ایک تاریخی غلطی ہے، ہمارے پوتے اور نواسے مایوسی سے پیچھے کی طرف یہ سوچ کر دیکھیں گے کہ ایک عالمی رہنما کیسے اخلاقی قدروں سے اس طرح دور ہوسکتا ہے۔

اگر چہ چین اور امریکہ کی انتھک کوششوں سے ہی یہ معاہدہ معرض وجود میں آیا تھا، لیکن اب جب کہ امریکہ اس سے الگ ہو چکا ہے چین اور یورپی یونین نے اس معاہدہ پر عمل کرنے اور اس سمت میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ صدر ٹرمپ کا کہنا ہے کہ یہ معاہدہ امریکہ کو سزا دیتا ہے اور اس سے لاکھوں لوگ بیروزگار ہوجائیں گے۔ لیکن سابق صدر اوباما نے اس پر شدید تنقید کی ہے اور کہا کہ ٹرمپ انتظامیہ مستقبل کو مسترد کر رہی ہے۔ صدر ٹرمپ نے اپنے انتخابی مہم کے دوران کہا تھا کہ وہ امریکہ کو اس معاہدہ سے نکال لیں گے تاکہ کوئلے اور تیل کی صنعت کو فروغ ملے۔ جب کہ مخالفین کا کہنا ہے کہ اس معاہدے سے نکلنا امریکی صدر کا ایک عالمی چیلنج کا سامنا کرنے سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے۔ بہر کیف صدر ٹرمپ کے فیصلے سے عالمی سطح پر ایک بھونچال سے آ گیا اگر چہ باقی دنیا نے بڑھ کر اس معاہدے پر قائم رہنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ صدر ٹرمپ نے ہندوستان کو بالواسطہ اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، کہ اس معاہدے سے ہندوستان کو کروڑوں ڈالر کا فائدہ پہنچ رہا ہے، جس کے جواب میں ہندوستان نے اقوام عالم کے مشترکہ مفاد میں اس معاہدے پر قائم رہنے کا اعلان کیا ہے جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

ضیائے قرآن

قسط سوم

قوموں کے عروج وزوال کی بنیادیں
قرآن مجید کی روشنی میں

تحریر: محمد احسان شمسی مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

زوال کی بنیادیں

سورۃ العصر کی رو سے عروج کے جو چار بنیادی اصول بتائے گئے ہیں، ان میں کمی کا پایا جانا زوال کا سبب ہوگا۔ چنانچہ وہ بھی مندرجہ ذیل چار اصول قرار پائیں گے:

(۱) شرک وکفر (۲) بے عملی وبدعملی (۳) باطل پرستی وخود فریبی (۴) بے ثباتی وخودغرضی

ان کی تعبیر اس طرح کی جاسکتی ہے:

(۱) جن اصول ونظریات پر کسی تحریک کی بنیاد ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو، انہیں تسلیم کرنے کے باوجود شرک یا نفاق کی وجہ سے دل میں یقین واذعان کی وہ کیفیت نہ پیدا ہو جو ایمان کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔

(۲) اصول ونظریات کو بروئے کار لانے کے لیے جن جن صلاحیتوں اور تدبیروں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت وقربانی کا مطالبہ کیا جائے، قوم کے افراد اس کے لیے تیار نہ ہوں یا اس کے خلاف عمل کررہے ہوں۔

(۳) حق پرستی کی بجائے باطل پرستی کی جانب مائل ہوں اور تبلیغ حق کی جگہ خود فریبی میں مبتلا ہوں۔

(۴) قوم کے افراد میں استقلال اور ضبط نفس کا فقدان ہو، اور بے ثباتی وخودغرضی ان کی رگ وریشہ میں سرایت کرگئی ہو۔

کفروشرک

شرک کا مطلب اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کسی کو شریک کرنا اور دین کی جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔ کفروشرک کا اصل تعلق عقیدے سے ہے، نفسیاتی لحاظ سے جب عقیدے میں تزلزل پیدا ہوجائے یا کمزور پڑجائے تو پھر زندگی کی کوئی کل درست نہیں رہ سکتی ہے۔

ذیل میں قرآن کریم کی روشنی میں اجتماعی زندگی میں پیدا ہونے والے شرک وکفر کے چند اثرات بیان کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ زوال کے بارے میں یہ دونوں کس قدر دور رس نتائج کے حامل ہیں۔

(۱) اصول ونظریات پر عزم ویقین کی وہ روح نہیں باقی رہتی جو انسان کو سراپا عمل بناتی ہے اور رعب وہیبت قائم رکھتی ہے۔

(۲) زندگی میں نظم اور مرکزیت نہیں باقی رہتی اور اطاعت واتحاد کا جذبہ فوت ہوجاتا ہے۔

(۳) دل کا استحکام اور اللہ پر کامل اعتماد نہیں رہ جاتا جس سے ہمت پست رہتی ہے اور رفتہ رفتہ زندگی کے عناصر، اقدام، عزم، شجاعت، ارادہ وغیرہ سب میں زوال آجاتا ہے۔

(۴) ظاہر وباطن میں یکسانیت نہیں رہتی ہے جب تک ذاتی اغراض ومفاد کا سوال نہ ہو، ان کے اقوال وافعال ہر طرح سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں، لیکن جب ایثار وقربانی کا وقت آتا ہے یا

کسی ادنیٰ مفاد پر بھی ضرب پڑتی ہے تو بے نقاب ہوکر سامنے آجاتے ہیں، ان میں برداشت کی طاقت بالکل نہیں ہوتی۔
(۵) مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے جس کی بنا پر جدو جہد کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور تن پروری وعیش پرستی کی ذہنیت نمودار ہوجاتی ہے۔
(۶) محنت ومشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں۔ عافیت کوشی مصلحت پسندی، سخن پروری اور حیلہ سازی وغیرہ جیسے جراثیم زندگی میں نمودار ہوجاتے ہیں۔
(۷) اخلاص وصداقت کی روح نکل جاتی ہے، پھر جائز وناجائز ،درست ونادرست جس طرح بھی مال ملے، اس کے حصول کی کوشش ہوتی ہے۔
(۸) ایمان ویقین کی دولت سے محرومی کی وجہ سے قوت ارادی مفقود ہوجاتی ہے، عزم وہمت کے کام کے وقت ایسی روش اختیار کی جاتی ہے، جس سے انتہائی بزدلی اور کمینہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔
(۹) فرقہ بندی اور گروہ بندی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، حق پرستی کی جگہ گروہ پرستی آجاتی ہے، اچھائی وبرائی کے جانچنے کے لیے اعتقاد وعمل کو معیار نہیں ٹھہرایا جاتا ہے، بلکہ یہ کہ وہ ہمارے گروہ میں داخل ہے یا نہیں۔ اگر وہ داخل ہے تو خواہ اس کے اعمال کتنے ہی برے ہوں، اچھا ہے اور اگر نہیں داخل ہے تو وہ برا ہے خواہ اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔
(۱۰) تعمیری کاموں کی طرف توجہ نہیں رہتی ہے، بس ہر گروہ دوسرے گروہ کی تحقیر وتذلیل کو دین، ایمان کی سب سے بڑی خدمت سمجھنے لگتا ہے۔
(۱۱) زندگی کی کشاکش سے نبرد آزمائی اور مصائب ومشکلات کے جھیلنے کی طاقت ختم ہوجاتی ہے اور طرح طرح کی بے ایمانی اور بے اعتقادی کی باتوں اور حرکتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔
(۱۲) ایثار وقربانی کے بغیر جہاں مالی منفعت کی امید ہوتی ہے، وہاں لوگ سب سے آگے نظر آتے ہیں۔
غرض دل کی روحانیت ختم ہوکر جماعتی مزاج پر شیطان کا غلبہ ہوجاتا ہے اور ہوا وہوس کی حکمرانی چلتی ہے۔

بے عملی وبد عملی

زوال کا دوسرا بنیادی سبب بے عملی اور بد عملی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (الف) سیرت کی تشکیل اور تنظیم سے متعلق جو اخلاقی ہدایتیں ہیں، ان سے پہلو تہی کی جائے یا ان کے خلاف عمل کیا جائے۔ (ب) حالات وزمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے قیام وبقا کے لیے جس قسم کی مادی جدو جہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے۔
قسم اول کے مندرجہ ذیل مظاہر ہیں:
(۱) اخلاقی سطح نہایت پست ہوجاتی ہے۔ کردار کی کوئی معیار نہیں باقی رہتی ہے اور معاصی کے ارتکاب میں بے باکی ہوجاتی ہے، حتی کہ رفتہ رفتہ معاصی کا احساس بھی دل سے نکل جاتا ہے۔
(۲) ترقی کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں، یاس وقنوطیت کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ بلند پروازی اور اولو العزمی کے سرچشمے خشک ہوجاتے ہیں، پھر عارضی اور معمولی فائدوں کو مقصد حیات سمجھ کر اسی کی جدو جہد میں ساری زندگی گزر جاتی ہے۔
(۳) تقدیر اور توکل کا غلط مفہوم عام ہوجاتا ہے، جس کی بنا پر قوائے عملی مفلوج ہوجاتے ہیں، ناعاقبت اندیشی وغیر مستعدی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور بلا جدو جہد یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا، وہ ہوا اور آئندہ بھی وہ ہوگا جو تقدیر میں ہوگا۔ اس صورت حال کا اثر زندگی میں یہ نمایاں ہوتا ہے کہ اپنی ذات اور مزعومہ مذہب کے علاوہ دوسری تمام چیزوں سے کنارہ کشی میں انہیں عافیت معلوم ہوتی ہے۔
(۴) دل سخت اور بے جان ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے

عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد معدوم ہوجاتی ہے اور انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع اور مطمئن بن جاتا ہے، پھر اس کے بعد ترقی کی امنگوں اور جاندار تمناؤں وغیرہ کا سوال ہی نہیں باقی رہتا۔

(۵) مال ودولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے، جس کے یہ اثرات زندگی پر نمودار ہوتے ہیں کہ عزم وہمت اور ایثار وقربانی کے کام نہیں ہو پاتے ہیں۔قومی وجماعتی مفاد نظروں سے اوجھل ہوکر صرف ذاتی اغراض ومفاد پیش نظر ہوتے ہیں۔فوجی طاقت چھن جاتی ہے اور سامان حرب کی جگہ سامان تعیش لے لیتے ہیں۔خوشامد وچاپلوسی کے جذبات خبیثہ زندگی میں سرایت کر جاتے ہیں۔حقوق کے تحفظ، قیام وبقا کی جدوجہد، قومی عزت وناموس کے جذبات دل سے نکل جاتے ہیں۔

قسم ثانی کے درج ذیل برے اثرات ونتائج ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) ذہنیتوں پر پردہ پڑجاتے ہیں، کھلی ہوئی ترقی کی راہوں کو دیکھنے کے باوجود انہیں اپنانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے۔

(۲) ان کے ذہن وادراک کی ساری قوتیں بے کار ہوجاتی ہیں اور لوگ علم وحکمت کی تحصیل سے گریز کرنے لگتے ہیں۔

(۳) مذہب کے بارے میں غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہوجاتی ہے، دیندار اور دنیا دار دو الگ الگ طبقہ بن جاتے ہیں اور یہ خیال عام ہوجاتا ہے کہ دنیا کے ساتھ دین پر عمل کرنا ناممکن ہے، حالاں کہ دین ہمیشہ دنیا کے لیے آیا ہے۔آخرت میں جو کچھ ہوگا، وہ اسی دنیا کے اثرات ونتائج ہوں گے۔نتیجتاً مذہبی طبقہ باہم دست وگریباں ہوجاتے ہیں اور ترقی کی راہیں مسدود کر بیٹھتے ہیں۔

باطل پرستی وخودفریبی

زوال کا تیسرا بنیادی سبب باطل پرستی وخودفریبی ہے۔انسان معنوی لحاظ سے دو جز سے مرکب ہے (الف) ایک وہ ہے جس کے ذریعہ حیات حیوانی کے قیام وبقا کی جدوجہد ہوتی ہے۔(ب) دوسرے وہ ہے جس کے ذریعہ حیات انسانی کے نشوونما کی جدوجہد ہوتی ہے۔

دوسرے جز کا ماحصل حق اور حقیقت کا ادراک اور عملی زندگی میں اسے بروئے کار لانا ہے۔

قوم جب باطل پرست رہتی ہے تو زیادہ تر اس کا اثر اسی دوسرے جز پر پڑتا ہے، جس کی بنا پر بصیرت نفس ختم ہوجاتی ہے۔صحیح ذوق ووجدان نہیں باقی رہتا، چنانچہ نہ حق کا صحیح ادراک ہو پاتا ہے اور نہ اس کے بروئے کار لانے کی کوشش ہوتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی غور وفکر کرنے والے لوگ موجود رہتے ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر تعلق یا تو حیات حیوانی سے رہ جاتا ہے اور یا یہ کہ حیات انسانی سے متعلق ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوتیں۔

(۲) قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے۔جہاں ذرا سی کوئی بات عجیب معلوم ہوئی، بس اسی کی معتقد بن گئی اور اسی کے پیچھے چل پڑی۔ایسی حالت میں نہ سچے رہنماوؤں کی قدر باقی رہتی ہے اور نہ ہی حقیقی اعمال وافعال کی، بلکہ اس کا کام ہر شعبدہ باز سامری صفت کے ہاتھوں کھیلنا اور خودفریبی میں مبتلا ہوکر ہر حق پرست کو مطعون کرنا رہ جاتا ہے۔

(۴) علم وہنر، ایجادات وانکشافات کے باوجود سوسائٹی کے جرائم سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے اور جو رہتے بھی ہیں، ان کی آواز کالعدم بن جاتی ہے۔اس طرح رفتہ رفتہ قوم کی حالت بالکل مسخ ہوجاتی ہے اور وہ جرائم پیشہ بن جاتی ہے۔

بے ثباتی وخودغرضی

زوال کی چوتھی اہم بنیاد بے ثباتی وخودغرضی ہے۔نفسیاتی لحاظ سے زندگی میں جب صبر کے جذبات کمزور پڑجاتے ہیں تو مذکورہ قسم کے جذبات ابھر آتے ہیں، جن سے ایک طرف تو وہ اخلاق تباہ ہوتے ہیں جو بقا کے لیے ضروری ہیں مثلاً عدل، ہمدردی، فیاضی، ایثار قربانی وغیرہ اور دوسری طرف ان اوصاف...... (باقی صفحہ ۲۰ پر)

شرعی مسائل

مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی، دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور (راجستھان)

چھپانے والے اعضا کے کھل جانے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

سوال: کیا ستر عورت کھل جانے یا کسی کا ستر عورت دیکھ لینے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اگر کسی کا ستر عورت کھل جائے، یا کوئی کسی کا ستر عورت دیکھ لے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اس صورت میں ناقض وضو نہیں پایا گیا اور جب ناقض وضو نہیں پایا گیا تو وضوٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال صورت مستفسرہ میں وضو نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان بہار شریعت میں لکھتے ہیں: عوام میں مشہور ہے کہ گھٹنا یا ستر کھلنے یا اپنا پرایا ستر دیکھنے سے وضو جاتا رہتا ہے، محض بے اصل بات ہے''۔ (بہار شریعت ج ۲ ص ۲۵)

امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان من وعن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں رقم فرماتے ہیں۔''ان میں سے کسی بات سے وضو نہیں جاتا، ستر کھلنے یا دیکھنے سے وضو جانا کہ عوام کی زبان زد ہے، محض بے اصل ہے۔ علما نے ستر عورت کو آداب وضو سے گنا۔ اگر کشف سے وضو جاتا تو فرائض وضو سے ہوتا''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ٦٦) واللہ تعالیٰ اعلم

شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم

سوال: کیا دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہے؟

جواب: دودھ پیتے بچے کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے، جب دودھ پیتے بچے کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے تو عوام میں جو مشہور ہے کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہے۔ یہ صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے۔ شیر خوار بچے کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے، جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:''دودھ پیتے لڑکے یا لڑکی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔ یہ جو اکثر عوام میں مشہور ہے کہ دودھ پیتے بچوں کا پیشاب پاک ہے، محض غلط ہے۔ (بہار شریعت جلد دوم ص ۸۲) امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔''آدمی کا بچہ گرچہ ایک دن کا ہو، اس کا پیشاب ناپاک ہے۔ گرچہ لڑکا ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۲۸) واللہ تعالیٰ اعلم

کپڑا یا بدن پر نجاست لگنے سے غسل واجب نہیں

سوال: کیا کپڑا یا بدن پر نجاست لگنے یا بغیر پانی استنجا کرنے سے غسل کرنا ضروری ہو جاتا ہے؟

جواب: جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کپڑا یا بدن پر نجاست لگ جانے یا بغیر پانی وغیرہ کے استنجا کرنے سے غسل کرنا ضروری ہے، ایسے لوگوں کا خیال غلط ہے۔ جس کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے، اس کپڑے یا بدن کو دھلنا فرض ہے۔ یونہی پانی کے بغیر استنجا کیا تو بھی غسل کرنا ضروری نہیں، بلکہ جس جگہ پیشاب و پاخانہ لگ جائے، اس جگہ کو دھلنا فرض ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غسل کی احتیاطیں

سوال: غسل کے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے

میں بے احتیاطی کرنے سے غسل ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب : جولوگ غسل کے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور دانتوں میں اگر کوئی چیز لگی ہوتی ہے، اسے بھی نہیں چھڑاتے ہیں، بلکہ ایسے ہی غسل کر لیتے ہیں تو ان سب صورتوں میں ان کا غسل صحیح ودرست نہ ہوگا، بلفظ دیگر ان کا غسل نہ ہوگا، نہ ایسے غسل کے بعد نماز جائز جیسا کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرائض غسل کے تحت لکھتے ہیں۔''کلی کہ منہ کے ہر پرزے، گوشے، ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہہ جائے۔اکثر لوگ یہ جانتے ہیں کہ تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اگل دینے کو کلی کہتے ہیں، اگر چہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہ پہونچے، یوں غسل نہ ہوگا، نہ اس طرح نہانے کے بعد نماز جائز، بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی جڑ اور کھڑکیوں میں، زبان کی ہر کروٹ میں، حلق کے کنارے تک پانی بہے۔

دانتوں کی جڑوں یا کھڑکیوں میں کوئی ایسی چیز جو پانی بہنے سے روکے، جمی ہو تو اس کا چھڑانا ضروری ہے۔اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج نہ ہو جیسے چھالیا کے دانے، گوشت کے ریشے، اور اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج ہو، جیسے بہت پان کھانے سے دانتوں کی جڑوں میں چونا جم جاتا ہے، یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑوں کی مضرت کا اندیشہ ہے، تو معاف ہے۔

یوں ہی ہلتا ہوا دانت تار سے یا اکھڑا ہوا دانت کسی مسالے وغیرہ سے جمایا گیا اور پانی، تار یا مسالے کے نیچے نہ پہونچے تو معاف ہے۔یا کھانے یا پان کے ریزے دانت میں رہ گئے کہ اس کی نگہداشت میں حرج ہے، ہاں بعد معلوم ہونے کے اس کو جدا کرنا اور دھونا ضروری ہے۔جبکہ پانی پہنچنے سے مانع ہوں۔

ناک میں پانی ڈالنا یعنی دونوں نتھنوں کا جہاں تک نرم جگہ ہے، دھلنا کہ پانی کو سونگھ کر اوپر چڑھائے، بال برابر جگہ بھی دھلنے سے نہ رہ جائے، ورنہ غسل نہ ہوگا۔ناک کے اندر رینٹھ سوکھ گئی ہے تو اس کا چھڑانا فرض ہے۔نیز ناک کے بالوں کا دھونا بھی فرض ہے''۔

(بہار شریعت جلد دوم ص ۳۱،۳۰)

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔''اگر کوئی سخت چیز کہ بہنے کو روکے کہ دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اسے جدا کر کے کلی کرے، ورنہ غسل نہ ہوگا''۔(فتاویٰ رضویہ شریف جلد اول ص ۹۵) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''لو کان سنه مجوفا فيبقى فيه اوبين اسنانه طعام اودرن رطب فى انفه ثم غسله على الاصح والاحتياط ان يخرج الطعام عن تجويفه ويجرى الماء عليه وكل ذلک يجزيهم للحرج والضرورة ومواضع مستثناة عن قواعد الشرع'' (فتاوی ہندیہ جلد اول ص ۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

رکوع وسجدہ جاتے وقت کپڑا اسمیٹنے کا حکم

سوال: رکوع وسجدہ میں جاتے وقت کپڑا اسمیٹنا کیسا ہے؟

جواب : جولوگ حالت نماز میں رکوع اور سجدہ جاتے وقت اپنے پیچھے کے دامن کو درست کرتے ہیں، ان کا یہ عمل حالت نماز میں مکروہ تحریمی ہے۔جس سے ان کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوجاتی ہے، جیسا کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔''کپڑے یا داڑھی یا بدن کے ساتھ کھیلنا، کپڑا اسمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھا لینا، اگر چہ گرد سے بچانے کے لیے کیا ہو، اور اگر بلاوجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ''۔

(بہار شریعت جلد ۳ ص ۱۳۵)

منیۃ المصلی میں ''فصل فيما يكره فى الصلوٰة ومالا يكره'' کے تحت ہے۔''ويكره ان يكف ثوبه اويرفعه كيلا يتترب'' اس کے تحت حاشیہ میں ہے۔''**وهو فى الصلوٰة لعمل قليل بان يرفعه من بين يديه اومن خلفه عند السجود اويدخل فيها وهو مكتوف كما اذادخل وهو مشمر الكم والذيل**''۔

اور درمختار میں ہے۔''**كل صلاة اديت مع كراهة التحريم**

تــجــب اعــادتهــا ‘‘ ۔اور حضور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ’’عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، لیکن کپڑا سمیٹنا جیسا کہ ناواقف لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے آگے کپڑے کو اٹھاتے ہیں، یہ مفسد نماز نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے ۔ جس نماز میں ایسا کیا گیا ،اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے‘‘۔(فتاویٰ فیض الرسول جلد اول ص ۳۷۰) واللہ تعالیٰ اعلم

سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں کس طرح رہنی چاہیے؟

سوال: سجدہ میں پاؤں کی انگلی کا پیٹ زمین سے نہ لگ سکا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے، یا صرف انگلیوں کے سرے زمین سے لگے اور کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں تو اس صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی، اور اگر ایک دو انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگے اور اکثر کے پیٹ نہیں لگے تو اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔اشعۃ اللمعات میں ہے ۔’’اگر ہر دو پائے بردارد، نماز فاسد است،واگر یک پائے بردارد،مکروہ است‘‘۔(جلد اول ص ۳۹۴)اور درمختار میں ہے۔ ’’وضــع اصبــع واحــدة منهــمــا شــرط‘‘۔(جلد اول ص ۳۱۳)اور اسی جلد کے ص ۳۵۱/ پر ہے۔’’فيــه يفتـرض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والا لم تجز والناس عنه غافلون ‘‘ ۔اور امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔ ’’سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو،اور ہر پاؤں کی اکثر (تین) انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے‘‘۔(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ٥٥٦) پھر اسی صفحہ کی تیسری سطر میں ہے۔ پاؤں کو دیکھے ،انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں، کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا، سجدہ باطل ،نماز باطل۔ اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔’’پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے،نماز نہ ہوئی، بلکہ اگر انگلی کی نوک زمین سے لگی، جب بھی نہ ہوئی۔اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں‘‘۔ (بہار شریعت جلد سوم ص ۷۱) واللہ تعالیٰ اعلم

چند انگوٹھیاں پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال : کئی انگوٹھیاں پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب : جو لوگ کئی کئی انگوٹھیاں پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔جیسا کہ امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔’’ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے،سونے، چاندی، پیتل،لوہے کے چھلے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے ، خواہ تانبے، پیتل ،لوہے کی انگوٹھی، اگرچہ ایک تار کی ہو، یا ساڑھے چار ماشہ چاندی، یا کئی نگ کی انگوٹھی، یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہو، کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام و ناجائز ہیں اور ان سے نماز مکروہ تحریمی‘‘۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۲۲) واللہ تعالیٰ اعلم

نماز میں موبائل بند کرنا

سوال : نماز کی حالت میں موبائل کی گھنٹی بجنے لگے تو کیا کرے؟

جواب : جب لوگ مسجد میں آئیں تو اس سے پہلے ہی اپنا اپنا موبائل بند کرلیں، لیکن اگر کسی کا موبائل بند نہ ہوسکا ،اور حالت نماز میں موبائل کی گھنٹی بجنے لگی ،جس سے ذہنی خلل و انتشار پیدا ہوگا اور ذہنی انتشار کو دور کرنا واجب ہے ۔لہٰذا اگر کسی کے موبائل کی گھنٹی حالت نماز میں بجنے لگے تو فوراً اس کو بند کردے، بشرطیکہ عمل کثیر نہ پایا جائے۔ ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔جیسا کہ فقہی سالنامہ (اوجھا گنج بستی) میں صراحت موجود ہے۔ ہذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی عزوجل وعلمہ اتم واحکم واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عالمگیر رضوی مصباحی عفی عنہ

تحقیق

آخری قسط

ایک مجلس میں تین طلاق ایک؟

قائلین کے دلائل کا علمی جائزہ

مولانا ازہار احمد امجدی ازہری، فاضل حدیث جامع ازہر (مصر)

اس مضمون کی دو قسطیں فروری و مارچ ۲۰۱۷ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۱/ مئی تا ۱۹/ مئی ۲۰۱۷ء انڈین سپریم کورٹ میں طلاق ثلاثہ سے متعلق تفصیلی بحث ہوئی۔ طلاق ثلاثہ کے مخالفین نے اس بحث میں بھی بار بار یہ کذب بیانی کی کہ طلاق ثلاثہ کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، حالانکہ یہ دعویٰ فریب دہی وحق پوشی پر مبنی ہے۔ اس مضمون کی تیسری اور آخری قسط افادۂ عامہ کے لیے شائع کی جارہی ہے، تاکہ طالبان حق کے لیے یہ مضمون ایک نسخہ کیمیا بن جائے۔ (ادارہ)

ان واقعات کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنے دونوں اصحاب سے کی ہوئی گفتگو کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ نسخ پر مطلع نہیں ہوئے، نہ ہی مسئلہ کی جانکاری کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیے، اور نہ ہی ان صحابہ کرام سے معلوم کیے جو لوگ ناسخ کا علم رکھتے تھے، وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نسخ کے بعد بھی تین طلاق کو ایک ہی قرار دیتے تھے۔ اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے منسوخ پر عمل کیا یا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی زمانہ میں منسوخ کے مطابق فتویٰ دیا، انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی جانب رجوع نہیں کیا، پھر جب لوگ برابر دو، تین سال بعد تک اسی منسوخ پر عمل کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ بات مشہور ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہونچی تو آپ نے اپنی عادت حسنہ کے مطابق علمائے کرام کو جمع کیا، فقہ کا اظہار کیا اور کتاب اللہ کے مقتضی کو اپنی عادت قدیمہ کے مطابق پوری احتیاط کے ساتھ بیان کیا۔ احتیاطی بیان دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

''بیشک لوگوں نے اس امر میں جلدی کی، جس میں انہیں رخصت تھی، اگر ہم ان کے جلدی کرنے کو نافذ کر دیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں طلاق مغلظہ کا حکم جس کے ساتھ معلق کیا ہے، وہ تین طلاق دینا ہے، خواہ الگ الگ دے یا سب ایک ساتھ، ان دونوں کے درمیان حکم میں کوئی تفریق نہیں، البتہ جس نے تین طلاق تفریق کر کے دی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ادب سے پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی دی گئی رخصت کے مطابق عمل کیا اور جس نے ایک ساتھ ایک ہی کلمہ میں طلاق دے دی، اس نے اللہ تعالی کی رخصت پر عمل نہ کر کے خلاف ادب کام کیا اور ایسا راستہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور وہ طلاق دینے میں تفریق کے بجائے سب کو ایک ساتھ جمع کرنا ہے۔ اس صورت میں تین طلاق کے وقوع کا لازم ہونا اولیٰ اور عورت سے رجوع کا حرام ہونا اَحریٰ ہے، کیوں کہ تین طلاق کو ایک ساتھ جمع کر کے دینے پر مناسب نہیں کہ ان کے عدم لزوم کا قول کیا جائے، پھر کونسا معنی ہے جس کی وجہ سے وہ مجموعی تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا جائے؟ حالانکہ طلاق مغلظہ کے حکم کی بنیاد تین طلاق دینا ہے، خواہ ایک ساتھ دے یا الگ الگ دے، جس نے طلاق کو

الگ الگ کرکے دے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ادب کا مظاہرہ کیا اور تین طلاق کی عدد پوری کردی تو اسے طلاق مغلظہ لازم ہوجائے گی تو وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ادب سے پیش نہ آیا اور جلدی کی، بدرجہ اولیٰ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق، طلاق مغلظہ کی صورت میں واقع ہوجائے۔

یہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تفقہ، جو انہیں کی شخصیت کے لائق ہے، اور آپ کا یہ قول: "فلو أمضيناه عليهم" تو یہ موجود علمائے صحابہ سے اس بات کے مطالبہ کے لیے ہے کہ شاید ان کے پاس کوئی سنت نبوی موجود ہو جو کتاب کے عموم کو خاص کردے یا اس کے اِطلاق کو مقید کردے؛ تو آپ اپنی عادت حسنہ کے مطابق عموم و اِطلاق کے بجائے اسی تخصیص یا تقیید کی سنت کی طرف رجوع کرکے، اسی پر عمل کریں، مگر آپ کے پاس موجود صحابہ کرام نے اس طرح کی کسی حدیث کا اظہار نہیں کیا، اسی وجہ سے سب نے مجموعی تین طلاق کے نافذ کرنے ہی پر آپ کی موافقت کی اور کیوں نہ کریں؟ اور حال یہ ہے کہ انہیں میں حضرت امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((جس مرد نے بھی اپنی عورت کو مختلف قروء میں تین طلاق دی یا تینوں ایک ساتھ دی، اس کے لیے وہ عورت حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت پہلے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے شادی کرے)) (سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، رقم:۳۹۷۲)

اور انہیں میں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں، جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر قسم دلائی کہ انہوں نے لفظ "البتۃ" سے ایک ہی طلاق مراد لی ہے، جب آپ نے یہی مراد لینے پر قسم کھالی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجعت کا حکم دیا۔ انہیں میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ پر مجموعی تین طلاق کے نفاذ کی روایت کی، جب انہوں نے لعان کے بعد اپنی عورت کو تین طلاق دی (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، رقم:۵۲۵۹) انہیں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بھی ہیں، جنہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں سنت نبوی روایت کی ہے۔

بہر حال ان روایتوں کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول: "فلو أمضيناه عليهم" کا معنی یہ ہوگا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس تین طلاق دے کر رجعت کا حکم منسوخ ہونے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز موجود ہے جو اس حکم کے نافذ کرنے سے مانع ہے؟ مگر جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی کوئی مانع نہیں تھا اور سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق کے نافذ کرنے والی حکمت سے پُر رائے کی موافقت کی؛ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو نافذ فرما دیا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم، حدیث پاک اور اپنے زمانہ کے مجتہدین و اجماع صحابہ کے دلائل کے تقاضہ کے مطابق مجموعی تین طلاق کو نافذ فرمادیا، اس نفاذ سے آپ نے ناسخ سے لاعلم رہ جانے والوں کو منسوخ پر عمل کرنے سے روک دیا اور ناسخ کی خوب اشاعت فرمائی، اور یہ ایک ہی مثال نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں بعض مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

نکاح متعہ ہی کا مسئلہ لے لیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جائز تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک اسے منسوخ و حرام قرار دے دیا، جیسا کہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور بعض صحیح روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو حکم دیا جو لوگوں میں یہ اعلان کردے: ((بیشک نکاح متعہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا)) (اسی کی مثل صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من رأى امرأة فوقعت في نفسه،

رقم:۱۴۰۶) اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے پائے گئے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک ناسخ کا علم نہیں ہوسکا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان اس ناسخ حکم کا اعلان کرایا اور خوب اشاعت کرنے کی کوشش فرمائی۔ نکاح متعہ کا یہ قصہ اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مجموعی تین طلاق کے متعلق روایت کی گئی ہے، بلکہ اس سے بھی پیچیدہ طور پر مروی ہے، امام مسلم وغیرہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: ((ہم ایک مٹھی آٹا اور کھجور کے بدلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں کچھ دن تک استمتاع کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع کردیا تو ہم باز آگئے)) (صحیح مسلم، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسہ، رقم:۱۴۰۵)

اس روایت کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ نکاح متعہ سے ممانعت و نہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے تھا، آپ نے اپنی رائے کے ذریعہ خلاف سنت حکم جاری فرمایا، حالانکہ یہ خاص طور سے آپ جیسی شخصیت سے بہت بعید ہے۔ نکاح متعہ کی اس عبارت میں مجموعی تین طلاق کی عبارت سے زیادہ ابہام وغموض ہے، اور یہیں پر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس طرح کی روایت میں اصولیوں کا قول ''یہ مرفوع ہے؛ کیوں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہوتا ہے، ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہو'' مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرفوع حکم میں ہے، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو، جب اتنا ذہن نشیں ہوگیا تو اب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول: ''کــنـــا نستمتع. الخ'' کا معنی یہ ہوگا: کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں اس مسئلہ کے متعلق ناسخ کا علم نہیں ہوا، جس کی وجہ سے انہوں نے ان مبارک زمانوں میں بھی نکاح متعہ کیا اور اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں ہوئی، جب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے ناسخ کا اعلان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرتے ہوئے نکاح متعہ سے عام ممانعت فرمادی اور معاذ اللہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف خروج نہیں۔

بالکل اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیر بحث روایت کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تین طلاق کو ایک شمار کیا، وہ کچھ ہی لوگ تھے، جنہیں تین طلاق کے بعد رجعت کے نسخ کا علم نہیں ہوسکا یا انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ الگ الگ تین طلاق کی طرح مجموعی طلاق کا بھی حکم ہے؛ اسی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا، جس کا علم حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم اور جن کو ناسخ کا علم تھا، نہ ہوسکا، یہاں تک کہ جب اس کی کچھ کثرت کی وجہ سے شہرت ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے ناسخ کا اعلان کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نافذ فرمایا، جس کی موافقت آپ کے زمانہ کے مجتہدین صحابہ، تابعین اور ان کے بعد اتباع کئے جانے والے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سب نے کی۔

ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک ماننے والے مبتدعین نے نکاح متعہ کے متعلق اس جواب کو قبول کیا، مگر زیر بحث حدیث کے تعلق سے اس طرح کے جواب کو قبول نہ کرکے شذوذ وتفرد اختیار کیا اور اباطیل کا سہارا لینے میں عار محسوس نہیں کیا، **نعوذ باللّٰہ من الھوی.**

علامہ خضر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے تمام جواب ذکر کرنے کے بعد کتنی اچھی بات کہی ہے، فرماتے ہیں: ''اور میں کہتا ہوں: بے شک ''صحیح مسلم'' میں موجود حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما، خود ہی جواب دے کر اپنا مفہوم واضح کررہی ہے، اس کا بیان یہ ہے: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جماع سے پہلے مجموعی

تین طلاق تحریم کا موجب تھی تو آپ نے ان کے ناسخ پر مطلع ہونے کا ذکر کرنے کی بجائے صرف اتنی ہی بات کی خبر دینے پر اکتفا کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مؤمن جانتا تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے ساتھ جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم، جن میں امیر المؤمنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ عشرہ مبشرہ بالجنۃ بھی تھے، یہ سب کسی ایسے حکم پر جمع نہیں ہوں گے، جس پر کوئی مستند ہی نہ ہو، اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ ایسی بات کہنے سے محفوظ ہیں جیسا کہ صادق ومصدوق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے، اور شاید اس لیے بھی کہ ہر مؤمن یہ جانتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہے؛ کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر**)) (مسند أحمد، سنن الترمذی وابن ماجہ) نیز حضور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ((تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کو لازم پکڑلو، اس کو مضبوطی سے تھام لو اور خلاف شریعت بدعتوں سے بچو...حدیث)) (مسند احمد، حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ، ج۲۸ص۳۷۳، رقم: ۱۷۱۴۴، سنن ابی داؤد، سنن الترمذی وسنن ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا اور ان کی سنت کے اتباع کا حکم دینے کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت سے اعراض کرنے والا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرنے والا ہوگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتراض کرنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والا ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿**و ما آتاکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنہ فانتھوا**﴾ (الحشر:۵۹، آت:۷) ترجمہ: ((اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، باز رہو)) (کنز الایمان)

مزید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا اور ان کی سنت کے اتباع کا حکم دیا؛ اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف اسی بات کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ میں تین طلاق کو طلاق مغلظہ قرار دیا ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ چیز حدیث کے ناسخ پر علم ہونے کی وجہ سے حاصل تھی، جس کے متعلق حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا؛ کیوں کہ جو بات ہم نے ذکر کی ہے، وہ اس چیز کے بیان کرنے اور حدیث کے نسخ کی وضاحت کرنے سے، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذکر نہیں کیا، مستغنی کر دیتی ہے۔ بہر حال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ایسے شخص کی اقتدا و اتباع کا حکم نہیں دیں گے جو صراط مستقیم پر نہ ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطا کی اتباع کا حکم دیا اور اللہ جل جلالہ ایسی ذات کے اتباع کا حکم دینے والا ہوگا جو خطا کی اتباع کا حکم دے رہا ہے! اس کا انجام یہ ہوگا کہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی قائل کافر و مرتد ہو جائے گا، **أعاذنا اللّٰہ تعالیٰ من ذلک**.

ان دونوں حدیثوں کی مثال وہ حدیث ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں: ((**کان فیما أنزل اللہ عزوجل من القرآن عشر رضعات یحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات یحرمن، فتوفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھن فیما یقرأ القرآن**)) (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، رقم:۱۴۵۲)

اس روایت کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ اس کی تلاوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ نہیں ہوئی، حالانکہ اس کے باطل ہونے پر اجماع ہے، کیوں کہ اس کی تلاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہو چکی تھی، لہٰذا اس روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے وہ پڑھتا تھا جسے اس کی تلاوت کے نسخ کا علم نہیں ہوا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق کے ایک ہونے سے یہ ہے کہ یہ حکم اس شخص کے اعتبار سے ہے جس کو ناسخ کا علم نہیں ہوا، اور یہ وہ مسئلہ ہے جو ان کے مبارک زمانہ میں معروف ومشہور

نہیں ہوا، یہاں تک کہ جب مشہور ہوگیا اور یہ خبر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ نے ویسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے حکم متعہ میں کیا تھا، جس کو ہم پہلے ہی بیان کر آئے۔

ان تین حدیثوں کی نظیر ایک حدیث وہ بھی ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حدیث کے الفاظ سنن أبي داوٗد کے الفاظ ہیں، آپ فرماتے ہیں: ((ہم نے ام ولد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیچا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع کر دیا؛ تو ہم باز آ گئے)) (سنن أبي داوٗد، کتاب العتق، باب في عتق امھات الأولاد، ج۴ص۲۷، رقم:۳۹۵۴، سنن ابن ماجہ، سنن الدارقطني)

اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ ام ولد کا بیچنا ایسی سنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور پھر منسوخ بھی نہیں ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت کی مخالفت کی اور اس بیع سے منع فرما دیا، حالانکہ سنت کی مخالفت کرنا آپ سے بہت بعید ہے۔ بہر حال سنت نبویہ کی بحث وتمحیص اور قرآن وسنت کی فہم مستقیم جس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اولاد کی امہات کی بیع شروع میں جائز تھی، پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیع کی، اسے اس ناسخ علم نہیں تھا، پھر جب اس کا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوا؛ تو آپ نے اس بیع سے منع فرما کر ناسخ کی اشاعت کی اور وہ حکم جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی، لوگوں کو بتایا؛ لہٰذا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول: ''ہم نے اولاد کی ماؤں کو بیچا...الخ''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایسا کیا، انہیں نسخ کا علم نہیں ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو منع فرمایا، وہ نسخ بیع کو نافذ کرنے کے لیے منع فرمایا تھا، جس کا علم آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، چنانچہ صحیحین کی حدیث میں ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی، آپ فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قیدی باندیوں سے جماع کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ہم ان کی قیمت پسند کرتے ہیں؛ تو آپ ہمیں فعل کے ذریعہ عزل کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((عزل نہ کرنے سے تم پر کوئی ضرر نہیں، قیامت تک جو بھی جان پیدا ہونے والی ہے پیدا ہو کر رہے گی)) (صحیح البخاري، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وباع وجامع، رقم: ۲۵۴۲، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، رقم:۱۴۳۸)

اور امام نسائی کی روایت میں ہے: ''ہم میں سے بعض چاہتے تھے کہ باندی کو اپنا اہل بنالیں اور ہم میں سے بعض اس کو بیچنا چاہتے تھے؛ اس وجہ سے ہم نے عزل کے بارے میں پوچھا...حدیث'' (مجھے سنن النسائي میں یہ روایت نہیں ملی) امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ''پھر ہمیں باندی سے جماع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی، اس حال میں کہ ہم اسی کی قیمت کے بھی خواہش مند تھے، اور ہم نے ارادہ کیا کہ جماع کے ساتھ عزل سے کام لیں'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، رقم:۱۴۳۸)

اس میں واضح دلالت ہے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ جب باندی اپنے مالک سے بچہ جن دے؛ تو انہیں بیع کے ذریعہ اس میں تصرف حلال نہیں ہوگا؛ اس وجہ سے اس باندی کی قیمت فوت ہو جائے گی؛ کیوں کہ مالک سے بچہ کی ولادت کے بعد اگر اس کے ماں کی بیع جائز ہوتی تو انہیں عزل کی حاجت نہیں ہوتی اور پھر انہیں عزل کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی، کیوں کہ لڑکا پیدا ہونے کے بعد بھی ماں کی بیع کی اجازت کے سبب ان کا کچھ فوت ہی نہیں ہوتا، اسی کی مثل امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((جو بھی باندی اپنی مالک سے ولد جنی؛ تو وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہے)) (المستدرک، حاکم، ج۲ص۳۲،

رقم:۱۹۱۲، ابن ماجہ وسنن البیہقی)امام حاکم نے اس روایت کی تصحیح فرمائی ہے، اگر چہ اس حدیث کی سند میں راوی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس ہیں جو متکلم فیہ ہیں، مگر ان کے بارے ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ التھــذیـب میں ہے:''ان کی حدیث لکھی جائے گی؛ کیوں کہ میں نے ان کی حدیث میں کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی''اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے دو طریق سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں:(بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی ماؤں کو بیچنے سے منع کیا، اور فرمایا: نہ بیچی جائیں گی، نہ ہبہ کی جائیں گی اور نہ ہی کوئی ان کا وارث ہوگا، جب تک وہ زندہ رہے گی، ان کا مالک ان سے فائدہ حاصل کرے گا، جب وہ مرجائے؛ تو وہ آزاد ہے)(سنن الدارقطنی، کتاب المکاتب، رقم:۴۲۴۷)

یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے، امام ابن قطان رحمہ اللہ نے اس کے مرفوع ہونے کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: اس کے سب راوی ثقات ہیں، اس سے معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نافذ کرنا تھا اور جس نے اس فیصلہ کے پہلے، اس کے خلاف کیا، اسے ناسخ کا علم نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اشاعت فرمائی۔ نیز امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاد کی امہات کو آزاد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کیا، اور سعید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور سنا ہے، اس سند میں راوی عبدالرحمن افریقی کا ضعف کا مداوا ماسبق کی صحیح حدیثوں سے ہوجاتا ہے، مزید یہ کہ یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ نے ان کی توثیق فرمائی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں مقارب الحدیث فرمایا ہے؛ لہٰذا ان کا ضعف مجمع علیہ نہیں ہے جیسا کہ بیان سے واضح ہوگیا۔

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ایک روایت کی اور اس کی تصحیح بھی فرمائی، وہ یہ ہے کہ ام ابراہیم کو جب لڑکا پیدا ہوا؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((باندی کے لڑکے نے اسے آزاد کردیا)) ((سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب اُمھات الأولاد، رقم:۲۵۱۶))

امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن قطان رحمہ اللہ نے اس حدیث کی ایک دوسری سند ذکر کی ہے اور فرمایا: یہ سند جید ہے۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، آپ فرماتی ہیں: ((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار و درہم اور نہ ہی غلام و باندی چھوڑا))(صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص بشیء، رقم:٦٦٠٦)

امام رملی رحمہ اللہ''المنہاج'' کی شرح میں فرماتے ہیں: حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بچنے والی چیزوں میں سے تھیں اور یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی حیات میں آزاد کردیا تھا اور نہ ہی یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزادی کو اپنی وفات پر معلق فرمایا تھا، امام کمال رحمہ اللہ''الفتح'' میں فرماتے ہیں: امام خطابی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی حدیث:((أعتقھا ولدھا)) کی صحت پر دلالت کرتا ہے، امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ہم انبیائے کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو ہم نے چھوڑا، وہ صدقہ ہے))(صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب نفقة القیم للوقف، رقم:٦٧٧٢) اگر ماریہ رضی اللہ عنہا مال ہوتیں؛ تو انہیں بیچ دیا جاتا اور ان کی قیمت کو صدقہ قرار دیا جاتا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاد کی امہات کی بیع کی حرمت پر قرآن کریم سے بھی استدلال کیا، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کے پاس لکھ بھیجا: بیشک اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿**فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم**﴾ (محمد:۴۷، آیت:۲۲) ترجمہ:((تو کیا تمہارے یہ

کچھن (انداز) نظر آتے ہیں اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو)) (کنز الایمان) اوراس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کسی کی ماں بیچی جائے؛ لہٰذا تم میں سے کسی کی ماں نہیں بیچی جائے گی، کیوں کہ یہ قطع رحم ہے اور یہ حلال نہیں''۔ (السنن الکبریٰ، بیہقی، باب الرجل یطأ اُمتہ بالملک فتلد لہ، رقم:۲۱۷۷۳)

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''المستدرک'' میں روایت کی اوراس کی تصحیح فرمائی، اور ابن منذر رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں آپ نے ایک آواز لگانے والے کو سنا، آپ نے اس کے بارے میں پوچھا؛ تو بتایا گیا: قریش کے ایک لڑکی کی ماں بیچی جا رہی ہے، چنانچہ آپ نے مہاجرین و انصار کو بلانے کے لیے بھیجا، ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ لوگوں سے گھر و کمرہ بھر گیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کی، پھر فرمایا: امابعد! کیا تم جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو لے کر آئے تھے، اس میں سے ایک قطع رحم بھی ہے، لوگوں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: قطع رحم تم میں بہت زیادہ شائع ہو چکا ہے، پھر آپ نے آیت پڑھی: ﴿**فهل عسيتم...الآية**﴾ پھر فرمایا: اس سے بڑا قطع رحم کیا ہوسکتا ہے کہ تم میں کسی کی ماں بیچی جائے! لوگوں نے عرض کیا: جو آپ کو صحیح لگے، وہ کیجیے؛ تو آپ نے ہر طرف لکھ کر بھیجا کہ آزاد کی ماں نہیں بیچی جائے گی، کیوں کہ یہ قطع رحم ہے، اور یہ حلال نہیں'' (المستدرک رحاکم، تفسیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، رقم:۳۷۰۸)

اس اثر میں ام ولد کو نہ بیچنے پر اجماع کا ذکر ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دلیل قرآن عظیم ہے اور سنت نبوی بھی اس کی تائید کرتی ہے، جیسا کی اس کا بیان گزر چکا، واللہ الحمد۔

خلاصہ کلام: اس تفصیلی بیان سے واضح ہو گیا کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے والوں کی دلیل ضعیف یا منسوخ ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۰) ...... پر زد پڑتی ہے جو ارتقا کے لیے لازمی ہیں مثلاً ہمت، قوت ارادی، عملی قابلیت، اقدام عمل، شوق تحقیقات، قوت استنباط، جدت طبع وغیرہ۔ قوم جب گراوٹ کی اس منزل پر پہنچتی ہے تو خواہش کا نام ارادہ پڑ جاتا ہے۔ انسانی ضمیر سپر ڈال دیتا ہے اور موروثی اخلاق واوصاف تک محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں۔ بے ثباتی وخودغرضی کے حسب ذیل اثرات برآمد ہوتے ہیں:

(۱) قوم کے افراد عزم ومقاصد کی راہ میں مصائب ومشکلات سے جھیلنے کے بجائے شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جب ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھانے کا وقت آتا ہے تو کوسنا اور قسمت کا ماتم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس راہ کی معمولی سی معمولی تکلیف بھی ان کے لیے پہاڑ بن جاتی ہے۔

(۲) ذہنی طوائف الملو کی کی وبا عام ہو جاتی ہے تو قوموں میں انتشار اور رایوں پر اغراض کا قبضہ ہو جاتا ہے۔

(۳) مرغوبات ومفادات میں الجھ کر ہجرت، جہاد اور نصرت (جو قیام وبقا کے لیے ضروری ہیں) سے روگردانی کی جاتی ہے اور طرح طرح سے کاربراری کی کوشش ہوتی ہے۔

(۴) ضبط نفس نہیں باقی رہتا ہے۔ نظم وطاعت اور استقامت کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ کام کے ولولے نہیں پیدا ہوتے ہیں اور اگر کچھ کام شروع بھی کیا تو ثابت قدمی سے محروم رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں قوم کے جوانوں کے دلوں میں بھی یاس وحرمان کی تخم پاشی ہو جاتی ہے، ان کی قوت ارادی مفقود ہو جاتی ہے

یہ وہ بنیادی اسباب ہیں، جن پر کسی قوم کے عروج وارتقا، قیام وبقا اور اس کے زوال وانحطاط کا دارومدار ہے۔ جب کسی قوم کو عروج پانا ہوتا ہے تو قوم کے افراد ان اسباب عروج کو بروئے کار لاتے ہیں اور جب عروج یافتہ قوم کو پستی وذلت کے گڈھے میں گر کر نابود ہونا ہوتا ہے تو اس قوم کے لوگ ان اسباب زوال کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔

حیات صدر الشریعہ چوتھی قسط

حضور صدر الشریعہ کے پہلے سفر حج کی روداد خود ان کی زبانی

بقلم حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمۃ

حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ان کے حالات وواقعات کے بارے میں انٹرویو لیا تھا جو اب تک ہندوستان میں غیر مطبوعہ ہے، اس کی تین قسطیں ہم نے گزشتہ سال اگست ستمبر اکتوبر ۲۰۱۶ء میں شائع کی تھیں، چوتھی قسط نذر قارئین ہے۔ امید ہے کہ آئندہ پانچویں قسط میں یہ سلسلہ مکمل ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (ادارہ)

بریلی سے وابستگی:

بریلی کے زمانۂ قیام میں بہت سی جگہوں سے ملازمت کے لیے لوگوں نے کوششیں کیں اور چاہا کہ ہمارے مدرسے میں آکر کام کریں مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ جو تعلقات تھے اور اعلیٰ حضرت جیسی محبت فرماتے تھے قلب میں اس کا ایسا اثر تھا کہ بریلی چھوڑنے کو ہر گز دل نے گوارا نہ کیا، اگر چہ دوسری جگہ بریلی سے بہت زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں اور کام بھی بریلی کی بہ نسبت تقریباً ایک چھوٹا کرنا پڑتا مگر وہاں جانا پسند نہ کیا۔ بلکہ خود اعلیٰ حضرت سے بھی اگر لوگوں نے لے جانے کی درخواست کی تو اجازت نہیں دی۔ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد کچھ زمانہ گزرنے کے بعد بریلی کو چھوڑنا پڑا۔

بریلی اسکول کی احتیاط:

۱۳۳۷ھ میں غالباً شوال کا مہینہ تھا اعلیٰ حضرت نے اپنی خاص صحبت میں ذکر فرمایا کہ اگر انتظام ہوسکا تو اسی سال مدینہ طیبہ جانے کا خیال ہے۔ اس موقع پر میں نے بھی عرض کیا کہ اگر حضور تشریف لے جائیں گے تو میں بھی ہم رکاب رہوں گا، ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کی بجائے حاضر ہونا کہنا چاہیے۔ بہر صورت میں نے حرمین طیبین کی حاضری کا عزم کرلیا اور اس وقت اپنی حالت ایسی نہ تھی کہ اتنا بڑا سفر کیا معنی مختصر سے سفر کرنے کا سامان ہوتا، دل میں تشویش وخیال کیا کہ حج وزیارت کے لیے کہاں سے رقم فراہم کی جائے، خود میں ایک غریب آدمی، مجھے اتنی بڑی رقم کون قرض دے دے گا؟ اور وہ بھی اس حالت میں کہ ہندوستان چھوڑ کر حجاز مقدس جارہا ہوں، غور وخوض کے بعد دل میں یہ فیصلہ ہوا کہ کچھ مخصوص احباب کو خطوط لکھوں، اور ان سے بطور قرض ایک ایک رقم طلب کروں، چنانچہ چند احباب کی خدمت میں اس مضمون کے خطوط بھیجے کہ حرمین طیبین کی حاضری کا ارادہ ہے، آپ سے اتنی رقم بطور قرض مانگتا ہوں، اس شرط سے کہ اگر میں واپس آگیا تو آپ کی رقم ادا کرنے کی کوشش کروں گا، اور اگر نہ ادا کرسکا یا میں ہندوستان واپس نہ آیا تو آپ مجھے یہ رقم معاف کردیں۔ جن لوگوں کے پاس میں نے خطوط بھیجے ان میں سے بعض نے میرا خط وصول ہوتے ہی منی آرڈر سے رقم بھیج دی، اور بعض نے تحریری اطلاع دی کہ رقم موجود ہے جس وقت آپ جائیں گے فوراً منی آرڈر یا تار سے روانہ کردی جائے گی، احباب کے ان وعدوں پر بڑا اطمینان ہوا اور اپنی غربت میں سفر حجاز کی تیاری میں بہت مسرت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے سفر کا سامان تیار نہ ہوسکا لہٰذا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور ساتھ جانے والوں کو بھی رکنا ہی پڑا۔ جن احباب نے روپیہ بھیج دیا تھا ان کا روپیہ واپس کردیا، اور جنہوں نے

وعدہ کیا تھا ان کو بھی شکریہ کے ساتھ لکھ دیا کہ اعلیٰ حضرت نے اس سال سفر ملتوی فرما دیا، اس وقت روپیہ بھیجنے کی حاجت نہیں، اگر پھر کسی موقع پر ضرورت ہوگی آپ کو تکلیف دی جائے گی، اگر چہ اس سال سفر ملتوی کرنا پڑا مگر دل میں حاضری کا جذبہ بھڑک اٹھا اور اندرونی طور پر حرمین طیبین کی حاضری کی کوشش پیدا ہو جایا کرتی تھی۔

غیب سے سامان سفر:

ایک سال گزرنے کے بعد قدرت کی جانب سے ایسا سامان فراہم ہو گیا کہ میرے پاس خود اتنی رقم ہو گئی جو وہاں کے سفر کے لیے اُس زمانے میں مناسب کافی وافی تھی۔ اتفاقاً میری اہلیہ اور تمام بچے انفلوئنزا کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، سب کو بریلی سے وطن لایا، بچے تو بفضلہ تعالیٰ صحت یاب ہو گئے مگر اہلیہ کی علالت میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ماہ شوال میں جب کہ بظاہر میں وطن سے بریلی جا رہا تھا اہلیہ سے یہ تذکرہ کیا کہ میرا ارادہ حرمین کی حاضری کا ہے اور تم اس طرح بیمار ہو، کیا مشورہ ہے؟ انھوں نے نہایت خوشی سے مجھ کو جانے کا مشورہ دیا، اور یہ کہا کہ تم چلے جانا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے، مگر میں نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ جب تک میرا خط نہ آئے کسی پر یہ ظاہر نہ کرنا، وطن سے میں بریلی روانہ ہوا اور اپنے حجاز جانے کی کسی کو اطلاع نہ دی، اسٹیشن پر منجھلے بھائی سے اس کا تذکرہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ابھی اس کو صیغۂ راز میں رکھیے، بریلی پہنچا، اعلیٰ حضرت قبلہ سے اجازت طلب کی، اجازت عطا ہوئی، حاجی عبد الجبار چیت پور کے رہنے والے میرے پیر بھائی تھے اور وہ بریلی آئے ہوئے تھے، وہ بھی میرے ساتھ روانہ ہوئے اور ہم جودھپور پہنچے، اور وہاں ایک روز کے لیے قیام کیا، وہاں سے حاجی عبد الجبار صاحب نے بمبئی تک ایک آدمی میرے ساتھ کیا اور اس سے کہہ دیا کہ جب تک جہاز پر سوار نہ کرا دینا آپ کے ساتھ رہنا اور خدمت کرنا۔ بمبئی پہنچا اور شیخ امام علی آئس کریم والے جو میرے پیر بھائی تھے اور اعظم گڑھ ضلع کے رہنے والے تھے، ان سے بہت زیادہ تعلقات تھے انہیں کے ہوٹل میں جا کر اترا، مگر وہ اتفاق سے موجود نہ تھے، وطن آئے ہوئے تھے، ان کے اور رشتہ داروں نے مجھے اپنا مہمان بنانا چاہا، مگر میں نے صرف ایک روز کی مہمانی قبول کی، جے پور سے جو آدمی میرے ساتھ تھے وہ میرے کھانے پینے کا انتظام رکھتے تھے وہی کھانا پکایا کرتے تھے۔

بہار شریعت حصہ ششم کی تبییض:

چوں کہ ہم جہاز کی روانگی معلوم کیے بغیر بمبئی پہنچ گئے تھے، وہاں معلوم ہوا کہ ابھی جہاز کی روانگی میں دس بارہ روز کا وقفہ ہے، اسی مدت کے اندر بہار شریعت جلد ششم جس کا مسودہ ہو چکا تھا میں نے مبیضہ کرنا شروع کیا اور بفضلہ تعالیٰ اس کا مبیضہ تیار ہو گیا۔

شاگرد رفیق سفر:

بمبئی میں میرے چند برادران طریقت موجود تھے، ان سے پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ کے لیے کہہ دیا، بلکہ سفر کی جملہ ضروریات انھیں کے سپرد تھیں، غلہ اور کوئلہ اور کپڑا یہ سب کچھ ان صاحبوں نے خریدا، اتفاقاً مولوی عبد الکریم صاحب چتوڑی جو میرے شاگرد تھے، وہ بھی حج کو جانے والے تھے مع اپنی اہلیہ کے بمبئی پہنچے اور انھیں میرے بمبئی میں موجود ہونے اور حجاز مقدس جانے کی اطلاع ملی، وہ آئے اور ملاقی ہوئے، معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ ان کے وطن کے پندرہ سولہ آدمی ان کے ہمراہ ہیں، ہم سب نے اکبر جہاز کا ٹکٹ لیا، کہ وہی سب سے پہلے جانے والا تھا، اور سنا گیا کہ جہاز بھی اچھا ہے، ہمارا تمام سامان سفر حج کو جہاز پر بار کر دیا گیا اور ہمارے احباب نے جگہ بھی آرام کی بہت اچھی تجویز کر دی تھی، بلکہ میرے لیے ان لوگوں نے دو جگہیں حاصل کر لی تھیں، ایک اوپر کے درجے میں اور ایک نیچے، کہ اگر گرمی معلوم ہو اوپر کے درجے میں آ جاؤں اور اگر سردی لگے نیچے کے درجے میں چلا جاؤں۔ لیموں اور قسم قسم کے میوے اور پان کا ایک ٹوکرا اور بہت سی چیزیں بمبئی کے احباب نے اپنی جانب سے میرے ساتھ کر دی تھیں۔

غالباً آٹھ نو بجے صبح کو ہم جہاز پر سوار ہوئے اور چار بجے

تک وہ جہاز گودی میں کھڑا رہا اس کے بعد روانہ ہوا۔ جہاز کے روانہ ہونے کے بعد بمبئی کے جو احباب ملنے آئے تھے وہ رخصت ہوئے ،تھوڑی دور جہاز چلا تھا بمبئی کی عمارتیں ابھی نظر آ رہی تھیں کہ جہاز میں تلاطم کی کیفیت نمایاں ہوگئی۔

سفر دریا کے پریشان کن تجربات:

پہلے یہ معلوم ہوا کہ جہاز ایک دم نشیب میں چلا جار ہا ہے پھر یہ معلوم ہوا کہ بہت اونچا چڑھتا ہوا اوپر کو جارہا ہے ۔اس کے بعد جہاز نے کروٹیں بدلنی شروع کریں،تو اِدھر کی چیزیں اُدھر اور اُدھر کی چیزیں اِدھر آنے جانے لگیں،مسافروں کو چکر آنے شروع ہو گئے، میں خود بھی بہت زیادہ اسی کیفیت میں مبتلا ہوا، چکر آتا اور قے آتی،اٹھنے بیٹھنے کی تاب باقی نہ تھی،اس جہاز میں سنا تھا کہ سترہ سو آدمی ہیں،جس کو دیکھو اس کی یہی حالت، جب سب کی یہی کیفیت تھی تو کون کس کی خبر لے؟ غرض یہ کہ اس ہجوم میں جہاں اتنا اژدہام تھا کوئی کسی کی خبر لینے والا نظر نہیں آتا تھا،کھڑے ہونے کی تو کیا مجال بیٹھنے کی بھی ہمت اپنے میں نظر نہیں آتی تھی، وضو کرنا کیا معنی تیمّم بھی بدشواری کیا جاتا تھا۔

دو رکعت نماز پڑھنی بھی دوبھر:

عشا کی نماز کے لیے تیمّم کیا اور یہ چاہا کہ بیٹھ کر اس نماز کو ادا کروں۔نماز شروع کی اور چاہا کہ جلد سے جلد اس کو پورا کروں،دو رکعت نماز اور وہ بھی مختصر طور پر پڑھنے کی کوشش کی، کتنا زیادہ وقت صرف ہوا ہوگا، بہر حال دونوں رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدے میں بیٹھا اور یہ چاہا کہ کسی طرح جلد از جلد تشہد پڑھ کر سلام پھیر دوں، کیوں کہ چکر اور متلی کا بہت زیادہ غلبہ تھا مگر تشہد پورا نہ کر سکا کہ قے ہوگئی اور بیٹھنے کی تاب نہ رہی لیٹ گیا،اس نماز کے فاسد ہونے کا اُس وقت مجھے نہایت ہی سخت صدمہ ہوا کہ اتنی محنت سے میں نے یہاں تک نماز کو پہنچایا تھا، دو چار سیکنڈ پہلے اگر قے نہ آتی تو نماز پوری ہو جاتی ،معلوم نہیں کہ اب کب نماز پڑھنے کا موقع ملے گا،اور کس طرح پڑھی جائے گی۔گھنٹوں اس کا انتظار کیا اور لیٹ کر اشارے سے نماز ادا کی اس کے بعد مسلسل کئی وقت تک لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔جوں جوں جہاز آگے بڑھتا جاتا ہے طغیانی شدید ہوتی جاتی ہے،اب بمبئی سے ہمارے جہاز کو روانہ ہوئے پانچواں دن ہے، طغیانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی مگر جب تکلیف بہت ہو جاتی ہے تو اس کا اثر کم محسوس ہونے لگتا ہے آج دیکھا جارہا ہے کہ جہاز میں کچھ آدمی چلتے پھرتے نظر آئے اور بعض کھانے پینے کا بھی کچھ انتظام کررہے ہیں، ہمارے ساتھ جو پھل رکھے ہوئے تھے اسی طرح پڑے ہوئے تھے،اتنی ہمت نہ تھی کہ سنترہ وغیرہ کوئی چیز کھائی جائے کہ چکر اور متلی بھی اس سے کم ہوگی اور کمزوری میں بھی اس سے فرق آئے گا۔آج ہم نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کھانا چاہیے ،دن گزر رات آئی غالباً آدھی رات ہوئی ہوگی کہ طغیانی کا یہ عالم تھا کہ سب لوگ زندگی سے مایوس ہوگئے تھے،کوئی اذان کہہ رہا ہے، کوئی کلمہ ، ہر ایک شخص اپنے خیال میں جو اس کے بچنے کی تدبیر تھی کر رہا ہے،کہیں کہرام مچا ہوا ہے، کوئی رو رہا ہے چلا رہا ہے، کوئی غوث پاک کو پکار رہا ہے، اور ان سے مدد مانگ رہا ہے ،غرض یہ کہ جہاز والوں کی عجیب کیفیت تھی اور ہر ایک شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ ہماری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہے، کہ اتنے میں ایک بڑے زور کا دھماکہ ہوا جیسے معلوم ہوا کہ کسی نے جہاز پر گولہ باری کردی ہو اور ساری فضا میں دیکھا گیا کہ چنگاریاں اڑ رہی ہیں،کوئی کہتا ہے جرمن نے گولہ مارا ہے،کوئی کہہ رہا ہے کہ ایلڈن نے حملہ کیا تھا، جو کچھ زندگی کی رہی سہی امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی، جہاز میں ایک شور ہے پتہ نہیں چلتا کہ آخر معاملہ کیا ہے اور اس دھماکے کی حقیقت کیا ہے؟ جہاز کے اگلے حصے میں جو اندر مسافر تھے ان کو کوشش کر کے جلد از جلد نکالا جا رہا ہے، اور جہاں تک ممکن ہو سکا ان کا سامان بھی نکال کر اوپر لایا گیا، اس کے بعد اس طبقے میں پانی کا نل کھول دیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ جہاز میں آگ لگ گئی،آگ بجھانے کے لیے یہ پانی چھوڑا گیا ہے خدا خدا کر کے کسی طرح وہ رات ختم ہوئی اور صبح ہوئی اور اب طغیانی

کی حالت میں بھی کچھ کمی محسوس ہوئی بلکہ بہت کمی معلوم ہوئی، چل پھر کر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ نہ ایلڈن نے گولہ باری کی ہے نہ کسی اور نے جہاز پر گولہ باری کی ہے، بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ جہاز کے اندر جو خزانہ تھا اس میں آگ لگ گئی اور اندر ہی اندر سلگ کر دھواں بڑھا اس نے اتنا زور کیا کہ خزانہ پھٹ گیا اور فضا میں چنگاریاں بلند ہوئیں اور نیچے کے کمرے والوں کی جانیں خطرے میں پڑ گئیں، بلکہ بہت سے ہلاک ہو گئے اور بہتیرے ایسے آدمی دیکھنے میں آئے کہ جن کا ہاتھ پاؤں اور دیگر حصۂ جسم بہت زیادہ جل گیا تھا۔ جن میں سے کئی ایک فوت ہو گئے۔ جب جہاز میں طغیانی کے آثار کم نظر آنے لگے تو بہت کچھ اطمینان حاصل ہوا اور سمجھے کہ مصیبت عظمیٰ سے نجات ملی۔

بمبئی کو واپسی:

خدا جانے آدھا راستہ طے ہو چکا ہوگا کہ اتنے میں بعض حجاج بولے کہ یہ کیا بات ہے کہ جہاز ادھر ہی کو جا رہا ہے جدھر سے آیا تھا، یعنی معلوم ہوتا ہے کہ جہاز بمبئی کو جا رہا ہے دوسروں نے انکار کیا، آپس میں بحث ہو رہی ہے کوئی کہتا ہے جدہ جا رہا ہے اور کوئی بمبئی، اب تشویش کا ایک نیا باب کھلا کہ اگر خدا نخواستہ بمبئی واپس گیا تو ہم لوگ حج سے بھی محروم رہے۔ جہاز کے خلاصیوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے گڑ بڑ جواب دیا، کسی نے کہا بمبئی اور کسی نے جدہ بتایا، کپتان سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ جہاز کے کوئلہ میں آگ لگ گئی، اور ہمارے پاس کوئلہ تو کیا معنی عدن تک پہنچنے کے لائق بھی کوئلہ باقی نہیں ہے، اور جہاز جتنا آگے بڑھتا ہے طغیانی زیادہ نظر آتی، اس خطرناک حالت کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہم کسی مستقر تک پہنچ نہیں سکتے، اگر آگے جاتے ہیں تو تمام حجاج کی جانیں سخت خطرے میں پڑ جاتی ہیں، یہ دیکھ کر ہم نے بمبئی کی واپسی کرنا ہی ضروری سمجھا کہ وہاں جو آگ لگ گئی ہے بجھائی جائیگی اور جہاز کی مرمت کی جائے گی اس کے بعد پھر جدہ روانہ ہوں گے۔ جو راستہ جہاز پانچ روز میں طے کیا تھا واپسی میں وہی راستہ دو روز میں طے ہوتا ہے، یعنی ساتویں روز بمبئی کے ساحل پر ہمارا جہاز واپس پہنچ جاتا ہے، حجاج جہاز سے اتر کر کوئی مسافر خانہ جاتا ہے تو کوئی دوسری جگہ جا رہا ہے، غرض یہ کہ جس کو جہاں ٹھکانہ ملا وہاں جا کر مقیم ہوا، میں بھی شیخ امام علی صاحب کے ہوٹل میں حسب دستور ٹھہرا۔

ایک نیا اضطراب:

جو کچھ پریشانیاں گزریں اور یہ ہفتہ جیسا خطرناک تھا اسے کیا بیان کیا جائے؟ اور اب بڑی فکر اس بات کی ہے کہ جدہ جانے کے لیے جہاز کب ملے گا؟ وہاں کب پہنچا جائے گا؟ معلوم نہیں کہ حج ملے کہ نہ ملے؟ اس زمانے میں جہازوں پر گورنمنٹ کا کنٹرول نہ تھا، کمپنیاں بطور خود روانہ کرتیں، خیر بمبئی میں ہم مقیم ہیں، جہاز کے متعلق اور خبریں منگوا رہے ہیں اور یہ کوشش ہے کہ کوئی دوسرا جہاز مل جائے تو اس سے سفر کیا جائے، معلوم ہوا کہ اس جہاز کے مسافروں کو یہی جہاز مرمت ہو جانے کے بعد لے جائے گا۔ ان لوگوں کو دوسرا جہاز نہیں دیا جائے گا، یہ چیز عموماً مسافروں کے لیے بہت باعث تشویش تھی، جہاز سے اترنے کے بعد فوراً میں نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر کیا جس میں مختصر طور پر بمبئی سے روانہ ہو کر ایک ہفتہ کے بعد واپس آنے کا اور قدرے پریشانیوں کا تذکرہ کیا۔

اعلیٰ حضرت کی تسکین:

فوراً اعلیٰ حضرت نے تسکین بخش جواب روانہ فرمایا۔ دوبارہ جہاز پر سوار ہونے سے قبل مجھے وصول ہو گیا تھا، غرض یہ کہ ایک ہفتہ میں جہاز مرمت ہو کر اس قابل ہوا کہ اب پھر اسے کام میں لایا جا سکے۔ مسافروں کو سوار ہونے کے لیے وقت مقرر کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جذبہ شوق ہی وہ چیز تھی کہ ایسے زمانہ میں کہ جن آنکھوں سے سمندر کی حالت دیکھ آئے تھے، پھر اسی جہاز پر سوار ہونے کے لیے اس نے آمادہ کیا۔ میں نے یہ سنا کہ پہلے ستر ہ سو حجاج تھے اور اب دوبارہ صرف گیارہ سو رہ گئے، شاید کچھ تو کام

آئے اور بہتوں کو سمندر کی حالت دیکھ کر سفر کی ہمت ہی نہ پڑی اور وہ لوگ وطن کو واپس ہوگئے ۔اس مرتبہ عصر کے وقت جہاز پر سوار ہوئے اور سنا یہ کہ جہاز رات میں روانہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پہلی مرتبہ سوار ہوا تو اس وقت حجاج میں جو ولولہ اور جوش نظر آتا تھا وہ اب مفقود تھا، گویا جارہے ہیں مگر بظاہر اس منظر سابق کو دیکھ کر اپنی زندگیوں سے ناامید ہورہے ہیں، اور یہ سوچ رہے ہیں کہ جو قدم راہ محبوب میں اٹھایا گیا اسے واپس نہیں کرنا چاہیے، اب تو جو کچھ ہونا ہے ضرور ہوگا، مرنا تو ایک دن ضروری ہے، کیا اچھا ہے کہ ان کی راہ میں موت آئے۔مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی کے بعض رفقانے بھی یہی ارادہ کیا تھا کہ وطن واپس ہوجائیں، بہت بار سمجھانا پڑا اور سمجھانے کے بعد اپنے اس ارادے سے باز آئے۔

سمندر نے سینہ کھول دیا:

صبح کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ جہاز سمندر کی سطح پر تیرتا ہوا نہایت سبک روی کے ساتھ جارہا ہے، جوں جوں جہاز آگے بڑھ رہا ہے سمندر کی سطح دیدہ زیب ودلفریب ہوتی جارہی ہے، عجیب کشش اپنے اندر رکھتی ہے، حجاج نیچے سے اوپر آتے ہیں اور سمندر کی سیر وتفریح میں مشغول ہیں، رنگ برنگ کا پانی اور طرح طرح کی مچھلیاں نظر آرہی ہیں، اور بڑے لطف کے ساتھ یہ سفر طے ہورہا ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب اور ان کے رفقا اور دیگر حجاج جن سے کچھ شناسائی ہوچکی ہے آتے ہیں اور ان سے گفتگو بھی ہوتی ہے، علمی مسائل کے تذکرے ہیں، جس کو جس مسئلے کی ضرورت ہے آتا ہے اور پوچھتا ہے یہاں تک کہ ہمارا یہ جہاز عدن پہنچا۔

عدن ساحل پر زندگی کی چہل پہل:

عدن کی حالت ہمیشہ حجاج جو دیکھتے ہیں یہی اس وقت بھی تھی، مانگنے والے لڑکے سمندر کی سطحوں پر حجاج سے سوال کررہے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی چاندی کی دوانیاں حجاج سمندر میں پھینکتے ہیں، پھر وہ نکال کر حاجیوں کو دکھاتے ہیں اور اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، کھجور وغیرہ اور بہت سی چیزیں کشتیوں میں بیچنے کے لیے لوگ لائے ہوئے ہیں، مچھلی بھی بک رہی ہے، پوری طرح سے حجاج خریداری میں مشغول ہیں اور تفریح کے ساتھ یہ وقت گزر رہا ہے ۔اب تک جہاز میں جگہ بہت وسیع تھی مگر عدن میں کئی سو حجاج یمن کے اس پر سوار ہوئے جس سے وہ وسعت باقی نہ رہی اور جگہ پُرنظر آنے لگی ۔میرے قریب بھی چند یمنی آکر بیٹھ گئے ۔ان میں بعض اہل علم اور کچھ طلبہ بھی تھے۔

ایک یمنی طالب علم:

ان میں ایک طالب علم کچھ منطق پڑھ رہا تھا جس کے دماغ میں منطق نے کچھ خلل پیدا کردیا تھا، مجھ سے آکر الجھنے لگا اور منطق کی چھوٹی چھوٹی سی باتیں دریافت کرنے لگا، اور وہ بھی اس وجہ پر کہ ایک سوال کا ابھی پورے طور پر میں نے جواب بھی نہیں دیا ہے کہ اس نے دوسرا سوال کردیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان والے بھی یمن کی طرح سے منطق سے ناواقف ہوتے ہیں، جب میں نے اس کی یہ حرکت بہت دیر تک دیکھی اور میں نے یہ خیال کیا کہ ہم حج کو جارہے ہیں، ہمیں کسی سے الجھنا نہیں چاہیے، اور اس کو یہ دیکھا کہ وہ کسی طرح باز نہیں آتا تو مجبوراً گفتگو کا رخ میں نے بدلا اور میں نے صرف ایک ہی بات دریافت کی، وہ یہ کہ تم بتاؤ کہ کلی طبعی کا وجود خارج میں ہے یا نہیں؟ جواب دو، اس کے اوپر دلیلیں قائم کرو، جب میں نے یہ سوال کیا تو اسے پسینہ آنے لگا اور اس کے ساتھ والوں نے اس کو بہت بتایا کہ ہم پہلے سے تجھ کو منع کررہے تھے، نہیں مانا، اب اگر جواب دے تو تجھے مزا آئے، اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا، اور ان لوگوں سے ادھر ادھر کی پرلطف باتیں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جہاز قریب جدے کے پہنچا، چوں کہ وقت کی قلت کی وجہ سے کامران میں قرنطینہ نہیں ہوا تھا اور ہم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم قرنطینہ سے بچ گئے مگر بچ نہ سکے، اور جدے سے قریب ایک جزیرہ ہے، وہیں تمام حجاج کو اترنا پڑا اور وہاں ایک شب گذار کر جدہ آنا ہوا۔

معلم کا انتخاب:

بمبئی سے جہاز میں ہمارے ساتھ معلم کے ایک ایجنٹ تھے جنہوں نے بہت ہی خوش اخلاقی سے مجھ کو اور میرے تمام رفقا کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، اور یہ کہ ہم ایجنٹ ہیں، آپ جدے میں اترتے وقت ان کا نام لیجیے ان کا نام مصطفیٰ تھا، اور حقیقتاً یہ بہت اچھے شخص تھے، انھوں نے تمام سفر میں آرام پہنچانے کی بہت کوشش کی، جدے میں معلم کا ایک وکیل رہتا ہے، ہمارے معلم کا وکیل ایک شخص الہ آباد کا رہنے والا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا اس نے ایک مکان میں ہم تمام لوگوں کو ٹھہرایا۔

اس زمانے میں جس چیز کی ہمیں بہت زیادہ تکلیف محسوس ہوئی وہ پانی تھا۔ بدوعورتیں ٹین میں پانی لے کر بیچنے آتی تھیں، جو ہوتا اس میں ہاتھ ڈال کر ایک چلو پانی لے کر چکھتا کہ یہ میٹھا ہے یا پھیکا۔ ہر کس و ناکس کے اس طرح پر ٹین میں ہاتھ ڈالنے سے طبیعت کو اس سے ناگواری محسوس ہوئی، مگر کیا کیا جائے، بات اپنے اختیار کی نہیں تھی، مسجدوں میں بہت چھوٹے چھوٹے سے حوض بنے ہوئے تھے، جس میں نہایت مختصر کھاری پانی تھا، ہمارے طور پر تو وہ حوض اتنے بڑے نہ تھے کہ ان کو دہ دردہ کہا جائے، اور اس میں وضو کرنا جائز ہو، بعض لوگوں کو ان حوضوں کی نالیوں پر طہارت کرتے ہوئے دیکھ کر ان حوضوں سے نفرت پیدا ہوگئی، بہر حال میں تو اُس پانی سے وضو کر لیتا جو وضو کے لیے لیا جاتا، یا کسی ایسی مسجد میں پہنچتا جہاں اطمینان کے قابل پانی ملتا تو وضو کرتا۔

ایک عجیب حادثہ:

ایک روز ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا میں اور مولوی عبدالکریم صاحب بعض دوسرے لوگوں میں یہ مشورہ ہوا کہ چلو سمندر کے کنارے غسل کر آئیں، ہم چند اشخاص کنارے پر پہنچے تو میری کمر میں ہمیانی بندھی ہوئی تھی، جس میں گنیاں اور سوسو کے نوٹ تقریباً سات سو کے تھے۔ ہمیانی کھول کر وہیں کنارے پر ایک موٹی سی لکڑی پڑی ہوئی تھی اس پر رکھ دی اور خود سمندر میں نہانے کے لیے گھس گیا۔ ہم سب نہا کر فارغ ہوئے، کپڑے بدل کر وہاں سے قیام گاہ کو روانہ ہو گئے۔ جب یہاں پہنچے تو بہت دیر کے بعد کمر پر جب میرا ہاتھ پڑا تو معلوم ہوا کہ ہمیانی نہیں ہے۔ اس وقت دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ میرا سارا سرمایہ وہی تھا، اب میں مکہ معظّمہ کس طرح پہنچ سکوں گا؟ اور حج کیوں کر ادا کر سکوں گا؟ خیر اگر ہمت کر کے یہاں سے پیدل دوروز میں مکہ مکرمہ پہنچوں، اور پھر عرفات کا آنا جانا پیدل ہو تو ایک اہم مقصود کہ مدینہ منورہ کی حاضری ہے کیوں کر پورا کر سکوں گا؟ مولوی عبدالکریم میرے پاس ہی تھے، ان سے میں نے آہستہ سے کہا کہ میری ہمیانی غائب ہوگئی، اور میں نے اس وقت ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ کیا ہوئی کہاں غائب ہوئی؟ میں نے ان کو بتایا کہ نہانے گیا تھا، وہیں لکڑی پر چھوڑ کر چلا آیا، سمندر کے کنارے وہاں آدمیوں کا ایک ہجوم ہے، حجاج اور بدو اور طرح طرح کے لوگ وہاں تھے، ملنے کی کوئی صورت اب باقی نہیں ہے، مگر چلنا چاہیے، اگر مقدر میں ہوئی تو مل جائے گی، ہم دونوں نے کھانا بھی نہیں کھایا، ساتھ والے کہتے رہے، ان سے کہہ دیا کہ تم کھاؤ ہم ابھی آتے ہیں، سمندر کے کنارے پہنچے دیکھا کہ اب بھی سمندر کے کنارے کافی ہجوم ہے، مگر میری ہمیانی جس جگہ میں نے رکھی تھی وہیں پڑی ہوئی نظر آئی، خدا کا شکر بجالایا کہ مسافرت اور غربت میں اگر نہ ملتی تو کہیں کا نہ رہتا۔

ذی الحجہ کا چاند اسی روز دیکھا جا چکا تھا جب جہاز جدہ کے کنارے جزیرہ میں ٹھہرا تھا، گویا ہم ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو دن میں جدہ پہنچ گئے، اور اونٹوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ اونٹ آئیں اور ہم مکہ معظّمہ روانہ ہوں، شریف حسین کی حکومت کا دور ہے، عرب ان کے پورے طور پر مطیع نہیں ہیں، اونٹوں کو فراہم کرنے میں حکومت کو دشواری پیش آرہی ہے۔ ادھر حج کا وقت قریب ہوتا جارہا ہے اور حجاج کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سب لوگوں نے یہ چاہا کہ جدہ سے مکہ مکرمہ بہت زیادہ دور نہیں ہے، ہم

لوگ اتنے بھی کمزور نہیں کہ یہ دو دن کا راستہ نہ طے کر سکیں، پیدل جانے کے ارادے سے قیام گاہ سے چلے، باب مکہ تک پہنچے، دیکھا کہ حکومت کے آدمی دروازے سے باہر جانے کو روک رہے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حجاج کو روکنا اس وجہ سے تھا کہ حکومت کی بدنامی ہوگی یا حکومت کا نقصان ہوگا، ظاہر یہ ہے کہ دونوں باتیں تھیں۔ اونٹوں کے انتظام میں بہت تاخیر ہوئی، یہاں تک کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کہ ہم سب نے قِران کا احرام باندھا تھا عمرہ کے ادا کرنے کا موقع نہ ملا، اگر یہاں رکتے تو وقوفِ عرفہ فوت ہو جاتا اور ہمیں حج نہ ملتا، مکہ معظّمہ میں رکے ہوئے بغیر عرفات پہنچے، وہاں سے وقوف کے بعد مزدلفہ رکے پھر منیٰ ہی آکر قیام کیا، اس تاخیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں حج کے آداب اور سنن میں بہت سی چیزوں کو چھوڑنا پڑا۔ خیر اللہ کا شکر ہے اور اس کا فضل وکرم ہے کہ حج مل گیا۔

ایک واقعہ اس موقع پر قابل ذکر ہے کہ جب حجاج کا یہ پچھلا قافلہ جدے سے روانہ ہوا تو اس کو بغیر توقف مسلسل عرفات جانا تھا، اتفاق سے اس روز دھوپ میں نہایت درجہ کی شدت تھی اور ہوا میں ایک قسم کی سمّیت پیدا ہوگئی تھی، بہت سے آدمیوں کو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ راستہ چلتے چلتے چکر کھا کر گر پڑے اور فوراً مر گئے، بلکہ کئی واقعے اونٹ پر سوار ہونے والے حجاج کے پیش آئے، میرے اونٹ کے برابر ہی دو عورتیں تھیں جو غالباً چھپرہ کی رہنے والی تھیں، یکے بعد دیگرے اونٹ ہی پر انہیں چکر آیا اور وہیں ختم ہوگئیں۔ کتنے حاجیوں کو اس طرح مرا ہوا پڑا دیکھا، خود یہ ہمت نہ ہوئی کہ اونٹ سے اتر کر کچھ کر سکیں کہ اولاً تو کر بھی کیا سکتے تھے؟ ثانیاً خود ہی اپنی جان کا قوی اندیشہ تھا۔

منیٰ کا مختصر قیام:

دن میں منیٰ میں رمی جمار کی اور شب کے وقت میں اور مولوی عبدالکریم صاحب اور چند دیگر احباب مکہ معظّمہ آئے جہاں آکر طواف افاضہ کیا، پھر وہاں سے منیٰ رات ہی میں واپس روانہ ہوئے، بارہویں تاریخ کو رمی جمار کر کے دوسرے حجاج کے ساتھ مکہ معظّمہ واپس ہوئے، کیوں کہ بہت زمانے سے یہی دستور ہوگیا ہے کہ حجاج بارہویں ہی کو واپس آجاتے ہیں تیرہویں کو رمی نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں اگر دو چار آدمی وہاں رہنا بھی چاہیں تو ان کے لیے دشواریاں اور خطرے ہیں۔

مکہ معظّمہ کے زمانۂ قیام میں بہت سے عمرے کیے، چاندنی راتیں تھیں، رات ہی میں تنعیم جاتا وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر نماز فجر کے وقت مسجد حرام شریف میں واپس آجاتا، نماز فجر ادا کرنے کے بعد عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام سے فراغت حاصل کرتا۔ زمانۂ قیام مکہ معظّمہ کے علما کی خدمت میں حاضری کا بھی اتفاق ہوا، ان کی صحبتیں بہت پر لطف تھیں۔

مولانا احمد شمس الدین مدنی:

مولانا احمد شمس الدین مدنی جو مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر تھے، حج کے لیے مکہ معظّمہ آئے ہوئے تھے۔ باب السلام کے قریب اقامت پذیر تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا، بڑے مقدس بزرگ تھے، چہرہ ان کا کپڑے سے چھپا ہوتا، صرف آنکھیں کھلی رہتیں، نہایت خوش اخلاق بزرگ تھے، ان کی خدمت میں جو کوئی حاضر ہوتا ضرور کچھ کھانے کو پیش کرتے، عموماً مدینہ طیبہ کے اعلیٰ قسم کی کھجوریں جو ان کے ساتھ تھیں پیش فرماتے تھے۔ انھوں نے مجھے جب یہ دیکھا کہ اسے علم سے کچھ تعلق ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے خدام میں سے ہے تو بہت زیادہ احترام کرتے۔ یہ بزرگ کہا جاتا تھا کہ بدویوں کے پیر ہیں اور ان کی نسبت یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ایک بکری کے دودھ پر اکتفا کرتے ہیں، حج کو آتے ہیں تو اپنی بکری بھی ساتھ لاتے ہیں، پرخطر زمانے میں بھی پرخطر مقامات میں ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں، ان کو اور ان کے رفقا کو نہایت آرام کے ساتھ بدو منزل پر پہنچایا کرتے تھے۔

علمائے حرم میں اعلیٰ حضرت کا چرچا:

اور بھی بہت سے علما مولانا عابد مولانا عبداللہ مرداد وغیرہم

سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور کبھی کبھی کچھ علمی تذکرے بھی رہے۔ جو سنتا کہ اس کو اعلیٰ حضرت سے تعلق ہے نہایت عزت واحترام کرتا۔ مولانا عبداللہ سراج جو قاضی القضاۃ تھے اور شریف حسین صاحب کے یہاں سب سے بڑا مرتبہ انہیں کا تھا، یہ مولانا کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور شریف صاحب کو سیدنا کہا جاتا تھا، ان کی خدمت میں بھی کئی مرتبہ جانا ہوا۔ پہلی مرتبہ حمیدیہ وہاں کا دارالحکومت تھا وہاں پہنچا اور مولانا کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ ایک ہندی شخص جو فلاں نام اور فلاں جگہ کا رہنے والا ہے آپ سے ملنے کی خواہش کرتا ہے، خادم نے دروازے پر کرسی رکھ دی، اس پر بیٹھا رہا کچھ دیر کے بعد اندر بلایا گیا۔ مولانا عبداللہ سراج ایک اچھے اور قابل عالم تھے، بظاہر بڑے سیاستدان بھی معلوم ہوتے تھے، اخلاق نہایت پاکیزہ تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ متبع شرع ہیں، مکہ معظّمہ میں وہ ایک خاندانی عالم تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن سراج عبداللہ سراج کے فرزند تھے، ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ جب میں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کا نام ان کے سامنے لیا اور اپنا تعلق بیان کیا تو وہ بہت زیادہ مسرور اور خوش ہوئے، اعلیٰ حضرت سے غائبانہ نہایت درجہ محبت رکھتے تھے، انھوں نے فرمایا کہ جس سال اعلیٰ حضرت شیخ امام احمد رضا خان یہاں تشریف لائے تھے میں موجود نہ تھا اس زمان میں ملک شام میں تھا، مگر میں ان کے فضل وکمال سے واقف ہوں، ان کی بعض تصانیف بھی میں نے دیکھی ہیں جن کی وجہ سے میں ان کی قابلیت کا معترف ہوں اور مکہ معظّمہ کے بڑے بڑے علما مولانا شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ اور حضرت مولانا شیخ سعید........ مفتی شافعیہ سے ان کی تعریفیں سن چکا ہوں۔

ایک دن یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ نماز مغرب کے بعد ہم لوگ حرم شریف میں حاضر ہیں۔ اس روز نماز مغرب مولانا عبداللہ مرداد نے پڑھائی تھی۔

ایک پاگل وہابی:

ایک سہارن پوری وہابی زور زور سے چلانے لگا کہ مولانا خلیل احمد صاحب جو ہندوستان کے اتنے بڑے زبردست عالم یہاں موجود ہیں ان کی موجودگی میں عرب کا یہ کتا نماز پڑھاتا ہے، ان بے ہودہ الفاظ کو اس نے بار ہا کہا۔ عربوں نے تو اس کی بات سمجھی نہیں ورنہ فوراً اس کو وہیں ٹھیک کر دیتے۔ کچھ ہندوستانیوں کو اس کے یہ الفاظ برے معلوم ہوئے کسی نے مولانا عبداللہ مرداد سے بھی جا کر اس کے بے ہودہ الفاظ نقل کیے، انہیں اعتبار نہیں آیا، میرے پاس پوچھنے کو آئے کہ کیا اس نے ایسا کہا؟ میں نے کہا: اس نے ضرور کہا ہے، وہابیوں کے نزدیک اہل عرب کی عزت ہی کیا ہے؟ مولانا عبداللہ مرداد کو غصہ آیا، ایک پولیس کے آدمی کو اشارہ کیا اس کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں لے گیا، دوسرے دن یہ سننے میں آیا کہ وہ شخص پاگل تھا یا پاگل بن گیا تھا، اس لیے حکام نے اس کی ایسی حالت دیکھ کر چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔

مقام ولادت نبوی کے انوار:

حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ معظّمہ کے مقامات متبرکہ کی زیارتیں بھی کرتا رہا۔ وہ جگہ جہاں ولادت شریف ہوئی ہے، اس کی زیارت میں عجیب وغریب کیفیت پیدا ہوئی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انوار کی بارش ہو رہی ہے دل ودماغ پر انوار اتر رہے ہیں، جو کیف یہاں حاصل ہوا اتنا دوسری جگہ محسوس نہیں ہوا۔ یہاں کی زیارتوں سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ کی روانگی کا وقت آیا۔ آخر میں مکہ معظّمہ سے جدہ اور جدے سے مدینہ طیبہ کو روانہ ہوا۔ کئی منزلیں اسی راستے پر چلنا ہوا جو مشہور ومعروف ہیں۔ اس کے بعد سننے میں آیا کہ راستہ نہایت مخدوش ہے، اگر سلطانی راستہ پر قافلہ جائے گا تو لوٹ لیا جائے گا۔

بلکہ ایک جگہ بدؤوں نے قافلہ کو گھیرا، ایک یادو مجیدی (سکہ رائج الوقت) فی حاجی دے کر معاملہ طے کیا گیا۔ اس کے بعد پھر ایک جگہ بڑی دشواریاں نظر آئیں۔ اور قافلے کے بدؤوں نے غار کے راستے سے جانا طے کیا، یہ راستہ بہت دشوار گذار اور

سخت ہے۔ سکری اور سغدف تمام حجاج نے یہیں نیچے چھوڑ دئے اور اونٹ کی پیٹھ پر اپنا ضروری سامان لاد دیا۔ اس پہاڑی راستے کو سب نے پیدل طے کیا۔ بعد نماز مغرب پہاڑ کے نیچے سے روانگی ہوئی اور صبح کو قریب آفتاب طلوع ہونے کے بعد اوپر پہنچے گویا ساری رات اس پہاڑ کی کھوہ میں گذر گئی آدمیوں کے لیے تو ہوسکتا ہے چند گھنٹوں میں اس راستے کو طے کر لیتے مگر اونٹوں کے لیے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا، بہت سنبھال سنبھال کر نہایت ہوشیاری کے ساتھ بدو اونٹوں کو پہنچا رہے تھے، بہت سی جگہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ اونٹ اس جگہ کو عبور نہ کرسکیں اور ہلاک ہوجائیں گے، مگر خدا خدا کرکے پورا قافلہ اور اونٹ اس پہاڑ کو طے کر گئے۔ نماز فجر پڑھنے کے بعد کچھ دور اور چل کر منزل کر دی گئی۔ اور اب تک تو جہاں جہاں منزلیں کرنی پڑی تھیں اپنے سغدف کے سائے میں وقت گزار لیا جاتا تھا، مگر آج بالکل میدان ہے نہ درخت ہے جس کے سائے میں پناہ لی جائے نہ سغدف ہی ہے کہ اس کو کھڑا کرکے اس کے اندر بیٹھ لیا جائے، سخت تکلیف میں پورا دن کٹا، اب قافلہ روانہ ہوا تو حاجیوں کو اونٹوں کی پیٹھوں پر بیٹھنا پڑا۔ ایک ایک اونٹ کی پیٹھ پر دو دو حاجی آگے پیچھے بیٹھے ہوئے راستہ طے کررہے ہیں اور غار کی وہ رات سلم جاگتے میں گذری تھی اور دن کو بھی دھوپ میں نہ کچھ آرام ملا نہ نیند آئی، اب یہ رات حجاج پر بہت دشوار آئی۔ بہت سے لوگ اونٹ کی پیٹھ پر جھونکے لے رہے ہیں اور اندیشہ ہو رہا ہے کہ کہیں گر نہ پڑیں، بہت سے لوگ نیند کو دفع کرنے کے لیے اونٹ سے اتر کر پیدل چل رہے ہیں، پھر جب مدینہ طیبہ ایک منزل باقی رہ گیا تو ایک شب ایسی آئی کہ راستے میں آدمیوں کے سر کے برابر اور اس سے چھوٹے بڑے پتھر بہت کثرت سے تھے کہ ان میں انسان کا چلنا بھی دشوار تھا۔

اونٹ کے پاؤں میں آنکھ:

اونٹ کے چلنے میں ہر قدم پر یہ اندیشہ تھا کہ اگر اسے ٹھوکر لگی اور گرا تو وہ گرے گا ہی سوار کی جان کا بھی ان پتھروں میں بچنا دشوار ہوگا، مگر مشہور ہے کہ اونٹ کے پاؤں میں آنکھ ہوتی ہے نہایت صفائی کے ساتھ بڑی خوبی سے اونٹوں نے اس راستے کو طے کیا، صرف بعض کو کسی کسی جگہ معمولی سی ٹھوکر لگی ورنہ سارا راستہ امن کے ساتھ گزرا۔

مولوی عبدالکریم چتوڑی:

مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی اور ان کی اہلیہ نے بہت ہی زیادہ آرام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو اس کا اجر عطا فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے آمین! منزلوں پر پانی ملنے میں سخت سے سخت دشواریاں پیش آئیں، مگر وہ میرے وضو کے لیے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ کر ضرور پانی لاتے، شاید کبھی ایسا موقع نہ دیا کہ مجھے تیمّم سے نماز پڑھنی پڑی ہو۔ عموماً قافلہ دن ہی میں روانہ ہوجاتا تھا۔ اکثر ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر اسی وقت قافلہ روانہ ہوتا پھر برابر چلتا رہتا۔۔ مغرب کے وقت کچھ دیر کے لیے ٹھہر جاتا کہ لوگ جلدی جلدی نماز مغرب ادا کرکے کچھ کھا پی لیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ کھانے کا موقع نہیں ملتا اور اونٹوں ہی پر حجاج کھا لیا کرتے، مولوی عبدالکریم صاحب قافلہ کی روانگی سے قبل بھی پہلے مجھے کھانا کھلا کر اس کے بعد وہ خود کھاتے اور ان کی گھر والی، اسی طرح بعد نماز مغرب بھی انھیں سب سے پہلے انھیں میرے کھانے کی فکر رہتی۔ اسی طرح آرام کے ساتھ ان کی معیت میں یہ سفر ختم ہوا۔

اب وہ رات آئی جس کی صبح مدینہ طیبہ میں حاضری ہوگی، شام ہی سے کچھ دل پر عجیب کیف ہے، ذوق وشوق کا وہ عالم کہ دل قابو سے باہر، قافلہ روانہ ہوا۔ اس دیار پاک کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں دل کی مرجھائی ہوئی پلکوں کو شگفتہ کررہی ہیں، ہوا کے ایسے خوشگوار جھونکے کہ کبھی ایسی پرلطف ہوائیں نہیں ملتی تھیں۔ جوں جوں مدینہ منورہ قریب ہوتا جاتا ہے وارفتگی کا عالم بڑھتا جاتا ہے۔ چاندنی رات ہے، دور تک میدان آنکھوں کے سامنے ہے، کبھی سراب سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ کہیں کھجوروں کے باغات

اور درخت رات میں عجیب خوشنما منظر پیش کر رہے ہیں۔ دل کھنچ رہا ہے، جی چاہتا ہے کہ جلدی چار قدم میں یہ تمام راستہ طے ہوجاتا، جلد سے جلد حاضر آستانہ ہو کر دل کی آرزوؤں کو پورا کرتے۔

سبز گنبد کا کلس:

صبح صادق کا وقت آیا اور اس صحرا میں بہت دور سے گنبد خضریٰ کا عکس چمکا وہ روح پرور نظارہ کبھی دل سے محو نہیں ہوسکتا۔ زباں پر درود وسلام ہاتھ ناف سے نیچے بندھے ہوئے اور سر جھکے ہوئے ادب کے ساتھ اس راستے کو طے کیا جا رہا ہے۔ کبھی آنکھیں بند ہوتی ہیں کبھی دل میں ایک عجیب قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کبھی کھلتی ہیں گنبد خضریٰ پر پڑ کر دل میں کچھ عجیب ذوق وشوق پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح درود وسلام کا تحفہ نچھاور کرتے ہوئے پا پیادہ تمام حجاج عشق ومحبت میں متوالے بنے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ وقت زیادہ ہوچکا ہے اتنا موقع نہ تھا کہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نماز فجر ادا کی جائے، پڑاؤ ہی پر نماز فجر ادا کی گئی اور خیال یہ ہے کہ غسل کر کے کپڑے بدل کر حاضر دربار ہونا چاہیے۔

حاضریٔ دربار:

فوراً غسل کیا کپڑے بدلے اور خوشبو وغیرہ لگا کر دربار بے کس پناہ سرکار دوجہاں مالک کون ومکاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ نہ آنکھ بتاسکتی ہے کہ کیا دیکھا، وہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کا دیکھنا نصیب کرے، اور ہر مومن وہاں کی حاضری سے بہرہ مند ہو۔ آمین! آنکھیں بند ہیں، ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں، دل میں تمناؤں کا ہجوم ہے سراپا سوال بن کر اس دربار عالی میں حاضر ہیں اور ان سے ہر ایک قسم کی عطا کی امید رکھتے ہیں، وہ زمانہ شیاطین نجدیہ کا تو تھا نہیں کہ اگر ہاتھ اٹھائے جائیں تو نیچے کردیے جائیں، اور ان کے دربار میں کچھ عرض کیا جائے تو مار کر نکالے جائیں، جتنی دیر تک جس نے چاہا درود وسلام پڑھتا رہا اور اپنی التجائیں پیش کرتا رہا۔

علمائے مدینۃ النبی:

مدینہ طیبہ کی حاضری کے زمانے میں یہاں کے علما کی زیارتوں اور ملاقاتوں کا موقع نصیب ہوا۔ مولانا شیخ احمد شمس جن کا تذکرہ اوپر کرچکا ہوں وہ مدینہ طیبہ آچکے ہیں ان کے یہاں بھی گیا، بہت اخلاق سے پیش آئے۔ شیخ الدلائل سید رضوان صاحب کے پاس بھی جانا ہوا اور ان سے مسجد مقدس میں کبھی کبھی نیاز حاصل ہوتا۔ وہاں کے تمام علما میں سب سے بہتر ایک عالم مغربی کو میں نے پایا جن کو غالباً احمد شقیطی کہتے تھے۔ ان کے یہاں علمی مذاکرے بھی ہوئے، بحمدہٖ تعالیٰ بہت قابلیت رکھتے تھے، چوں کہ وہ زمانہ بہت فتنے کا زمانہ تھا اس لیے مدینہ طیبہ میں حجاج کو بہت تھوڑی اقامت کا موقع ملتا تھا، اس قلیل زمانے میں کچھ بھی نہ ہوسکا، نہ وہاں کے حالات کے پورے طور پر معلوم کرنے کا موقع مل سکا۔ قبا شریف اور احد شریف پر جانے کی خواہش ظاہر کی، معلوم ہوا کہ وہاں جانا اس وقت بہت پر خطر ہے، اور جانا اپنے خیال میں ضروری تھا، ایک گھوڑا گاڑی کرایہ کی لی گئی کہ گاڑی پر خطرہ کم ہوتا اور ایک بدو کو اپنے ساتھ شناخت کے لیے اجرت پر رکھا، اس طرح پر وہاں حاضر ہو کر زیارتیں کرسکے۔

حجاز میں بدامنی کا دورہ:

ترکیوں کا دور حکومت حجاز مقدس سے ختم ہوچکا تھا، حجازیوں کی وہ آمدنیاں جو ترکی سے وابستہ تھیں معدوم ہوچکی تھیں اور جنگ عظیم کے بعد گرانی بھی سخت تھی۔ تین پاؤ یا سیر بھر آٹا یا چاول ملتا تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے اتنی شدید گرانی تھی کہ گویا گرانی کیا تھی موت کا پیغام تھا۔ میں نے وہاں یہ بھی روایتیں سنیں کہ مدینہ طیبہ کے بہت سے معزز گھرانے کے علما اور سادات اسی دور میں فاقہ کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے، جن کی خشک لاشیں ان کے مکانوں میں پائی گئیں، اور انھوں نے اپنے فاقے کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا پسند نہ کیا۔

مولانا ضیاء الدین مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت:

مولوی ضیاء الدین مدنی صاحب جو پنجاب کے رہنے والے تھے اورانھوں نے ترک وطن کیااورمدینہ طیبہ میں بحیثیت مہاجر سکونت پذیر ہوئے ،ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اوران کے وابستگان کے ساتھ محبت۔جب انھیں میرے مکہ معظمہ آنے کی خبر ہوئی تو برابروہ میری مدینہ طیبہ کی حاضری کا انتظار کررہے تھے، وہاں حاضر ہوتے ہی ان سے ملاقات ہوئی، اس وقت یہ موجود تھے، اور رباط عجمی میں ان کا قیام تھا، جس حجرے میں رہتے تھے وہ ایسے بہترین موقع پرواقع تھا کہ گنبد خضریٰ بالکل سامنے تھا، گویا مسجد سے باہر رہتے ہوئے ہر وقت روضۂ اقدس کا نظارہ نصیب تھا، جب میں ان کے وہاں جاتا اس پاکیزہ منظر کو دیکھ کر وہاں سے آنے کو جی نہ چاہتا تھا۔

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رات:

ایک روز عشا کی نماز پڑھنے کے بعد مولوی ضیاء الدین صاحب میرے پاس آئے اور یہ فرمایا کہ آپ یہ رات مسجد نبوی میں حضور انور کے مواجہہ میں گذارنا چاہتے ہیں، یہ مژدۂ جانفزا اس سن کر دل باغ باغ ہوگیا کہ اپنے غلاموں کو اس طرح نوازا جاتا ہے اور سرفراز کیا جاتا ہے، ایسی عظیم الشان دولت مجھ گنہ گار کو بے طلب عطا فرمائی، میرے تو خیال میں یہ بات نہ تھی کہ یہ چیز ممکن ہوگی، میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سارے دروازے حرم نبوی کے بند ہوجاتے ہیں، سوا خدام کے یہاں کوئی بھی رہنے نہیں پاتا اور تھا بھی ایسا ہی، مگر مولانا نے جب یہ خبر سنائی تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی، میں نے عرض کیا: اس سے بہتر میرے لیے کیا چیز ہوسکتی ہے؟ کہ رات کی تنہائی میں مجھے مواجہہ اقدس میں حاضری نصیب ہو۔مولانا نے فرمایا کہ جب نماز عشا کے بعد یہاں سے لوگ چلے جاتے ہیں تو آپ مکبریہ کے نیچے بیٹھ رہیں، میں جنت کی کیاریوں میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا۔ جب نمازیوں کا مجمع میں نے دیکھا کہ بہت زیادہ نکل چکا ہے اور کچھ لوگ باقی رہ چکے ہیں تو مکبریہ کے نیچے آکر بیٹھ گیا، خدامِ حرم نبوی روشنی لیے ہر طرف دیکھ رہے ہیں، جو کوئی انہیں ملتا ہے مسجد سے باہر جانے کا حکم دیتے ہیں، غرض ساری مسجد خالی ہوگئی اور دروازے بند ہوچکے، تو ایک صاحب میرے پاس آتے ہیں اورانھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم یہاں رہوگے؟ میں نے کہا: ہاں، توانھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہاں لے گئے جہاں مسجد نبوی کا وضوخانہ ہے ، اوران لوگوں کا پیشاب خانہ وطہارت خانہ ہے، مجھ سے انھوں نے یہ کہا کہ اگر پیشاب کی ضرورت ہو تو یہ جگہ ہے اور وضوٹوٹ جائے تو وضو کا یہ مقام ہے، یہ بتا کر مجھے انھوں نے چھوڑ دیا کہ اب جاؤ جو چاہو کرو۔غرض یہ کہ رات بھر بحمدہٖ تعالیٰ اسی مسجد اقدس میں گذاری ،جس جس وقت میں جو کچھ سمجھ میں آیا کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی ،الحمدللہ علیٰ انعامہ۔

دردِ فراق:

یہ مختصر زمانہ مدینہ طیبہ کی اقامت کا ایسا جلد ختم ہوا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کب آیا اور کب گیا؟ فراق کی گھڑی سامنے اور حکومت کی جانب سے روانگی کا حکم ملا، جو صدمہ اور رنج اس وقت دل پر گزر رہا تھا وہ کیا بیان کیا جائے، ہر ایک شخص خود اپنے دل سے اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔کچھ دور پیدل روانہ ہوئے اور پھر پھر کر گنبد پاک کو دیکھتے رہے، جب وہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اور بہت دور نکل آئے تو اونٹ کی پیٹھ پر بغیر سغدف کے سوار ہوئے، اوراس غار کے راستے سے اس مقام پر آئے جہاں ہمارے سغدف رکھے ہوئے تھے، محافظوں کو اجرت دے کر اور سغدفوں کو اونٹ پرلاد کر سفر جاری رکھا، ایک روز راستہ میں قیام کیا گیا، چوں کہ اونٹ والے اسی قریب کے رہنے والے تھے، جاتے وقت بھی ایک روز یہاں ٹھہرے، اور واپسی میں بھی حاجیوں کو یہاں چھوڑ کر اپنے اونٹوں کو لے کر وہ لوگ اپنے گھروں کو گئے اور دوسرے روز واپس آئے ،(ہم لوگ) یہاں سے منزل بہ منزل جدہ پہنچے اور جہاز پر سوار ہوکر بمبئی روانہ ہوگئے ۔میرے پاس کھانے کی اجناس بہت زیادہ تھیں، جن کو مولوی

عبدالکریم صاحب نے بچا رکھا تھا، جب میں سب کاموں سے فارغ ہو گیا اور جہاز پر سوار ہونے کا وقت آیا وہ سب چیزیں مولوی صاحب موصوف کو میں نے دے دیں کیوں کہ ان کو مع اپنی اہلیہ کے دو تین مہینے مکہ معظمہ میں رہنا تھا، میں نے ان سے کہا کہ غلہ یہاں بہت گراں ہے اور دشواری سے ملتا ہے یہ میرے پاس کا غلہ اتنا ہے جو آپ دونوں کے لیے کئی مہینے کفایت کرے گا، مولوی صاحب موصوف نے مجھے اور اپنے تمام ساتھیوں کو رخصت کیا، خود جدے میں رہے وہاں سے پھر مکہ معظمہ اور طائف وغیرہ گئے اور ہم بمبئی پہنچے، ان کے ساتھیوں نے جہاز میں مجھے بہت آرام پہنچایا، دونوں وقت بہترین قسم کا کھانا پکا کر مجھے دیا کرتے تھے، اگر چہ سامان میرا ہی تھا مگر محنت ان لوگوں کی تھی۔

قیام بمبئی:

شیخ امام علی صاحب رضوی جاتے وقت بمبئی موجود نہ تھے، اس وقت وہ مکان سے واپس آ چکے ہیں، جہازوں کی آمد کے تجسس میں رہتے ہیں، جب کسی جہاز کے آنے کی خبر پاتے ہیں تو کبھی گودی میں خود جاتے ہیں کبھی اور لوگوں کو بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے اتار کر مکان پر لائیں، اتفاق سے جب جہاز بمبئی پہنچا اس وقت بھی مجھے لینے کے لیے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے، جہاز سے سامان اترا ان لوگوں نے دیکھا کہ ابھی مال کی نکاسی میں دیر لگے گی سامان وہیں چھوڑا اور ایک آدمی کو متعین کیا اور مجھے مکان پر لے گئے اب میں شیخ امام علی صاحب کا مہمان ہوں۔ وہ خاطر مدارات میں مشغول ہیں۔

جے پور سے روانگی کے وقت حاجی عبدالجبار صاحب نے وعدہ لے لیا تھا کہ جب آپ بمبئی آئیں مجھے فوراً تار دیجیے، میں بمبئی آپ کو لینے کے لیے آؤں گا، ان کو بھی تار دیا وہ فوراً جے پور سے بمبئی پہنچے، بریلی اور مکان پر بھی اپنے واپس آنے کی اطلاع دے چکا ہوں۔ دو تین دن سفر کی تکان میں (گزرے)، اب میں نے بریلی روانگی کا ارادہ کیا تو امام علی صاحب نے اجازت نہیں دی، اور کہا کہ میں کچھ علیل ہوں جب بالکل اچھا ہو جاؤں گا تو میلاد شریف ہوگا اور جلسہ، اس کے بعد آپ جا سکیں گے۔ اور یہ سب ترکیبیں مجھے روکنے کی تھیں، تقریباً پندرہ روز تک بمبئی ٹھہرنا پڑا، جب میرا اصرار زیادہ ہوا تو امام علی صاحب نے ایک شاندار جلسہ کیا جس میں کافی اجتماع ہوا، اس میں مجھے تقریر کرنی پڑی۔ کئی گھنٹہ مسلسل تقریر کے بعد سلام و قیام پر جلسہ ختم کیا گیا۔ جملہ حاضرین کو کافی مقدار میں آئس کریم کھلائی گئی اور بڑی بڑی نان خطائیاں جن کا بمبئی میں رواج ہے تقسیم کی گئیں، میں وہاں سے حاجی عبدالجبار صاحب کی معیت میں اجمیر شریف حاضر ہوا، یہاں زیارت سے فارغ ہو کر جے پور پہنچا، تقریباً ایک ہفتہ جے پور میں قیام کیا، وہاں سے پھر حاجی عبدالجبار صاحب اور بعض دیگر احباب کے ساتھ بریلی روانہ ہوا۔ بریلی آمد کے وقت کی اطلاع دے چکا تھا، جنکشن اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا کافی مجمع تھا، اور انھوں نے مجھے وہاں اترنے سے روک دیا کہ سٹی اترنا ہوگا، وہاں بہت سے لوگ استقبال کے لیے آئے ہیں، اور خود اعلیٰ حضرت قبلہ سٹی پر تشریف فرما ہیں، اعلیٰ حضرت نے ہی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سٹی پر اترنے کے لیے ان سے کہہ دیا جائے۔ گاڑی سٹی پر آئی، اعلیٰ حضرت قبلہ سے نیاز حاصل کیا اور قدم بوسی کی۔ خود اعلیٰ حضرت قبلہ جس انداز سے پیش آئے میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

استقبال کرنے والوں کی جماعت مجھے اعلیٰ حضرت کے دولت خانے پر لائی، سارے مجمع کو کھجوریں تقسیم کیں اور زمزم شریف پلایا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مزاج ناساز تھا، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی، باوجود اس کے اسٹیشن تشریف لے جانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ چند روز غالباً ایک ہفتہ بریلی قیام کرنے کے بعد وطن آیا۔ سب سے ملاقاتیں ہوئیں، اہلیہ کو اسی طرح علیل پایا، جس طرح بیمار چھوڑ گیا تھا۔ اس سے بہت افسوس ہوا۔ یہ ہے سفر کی مختصر سی کیفیت، مولا تعالیٰ بزرگان دین کے صدقے میرا حج و زیارت قبول فرمائے آمین ثم آمین! (جاری)

قومی مسائل

قسط سوم

ہندوراشٹر کا دستور اساسی

رامائن اور منوسمرتی کے مطابق آر ایس ایس کا ہندوراشٹریہ کیسا ہو گا؟

طارق انور مصباحی (کیرلا)

ہندوستان کی آزادی کی امید نظر آتے ہی بھارت کے ہنود ملک کو ’’ہندوراشٹر‘‘ بنانے کا خواب دیکھنے لگے۔ آزادی ہند سے آج تک مسلسل کوششیں بھی کرتے رہے۔ ہندوراشٹر میں کیا کشش ہے کہ جس کے لیے اس قدر مشقت و جانفشانی اور جہد پیہم کی جارہی ہے۔ اس کے پس پردہ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے ہندوراشٹر بن جانے پر ہندوستانی برہمنوں کو ایک نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو جائے گی۔ ملک میں برہمنوں کا وقار و معیار اور عزت و حرمت بڑھ جائے گی۔ انہیں جرائم پر کوئی سزا نہ ہو سکے گی۔ برہمن بھارت کے بے تاج بادشاہ ہو جائیں گے۔ جو کچھ ہندوؤں کی مذہبی کتب رامائن اور منوسمرتی میں ہے، وہ ملک کا قانون بن جائے گا۔ رامائن و منوسمرتی کے چند اقتباسات سپرد قلم ہیں، ان سے پوشیدہ حقائق اور خفیہ عزائم ظاہر ہو جائیں گے۔ نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہندوراشٹر کیسا ہو گا؟

30/ جنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی کا قتل ہوا۔ اس کے بعد 4/ فروری ۱۹۴۸ء کو آر ایس ایس پر پابندی (Ban) لگا دی گئی، اور آر ایس ایس کے گرو گولوالکر اور آر ایس ایس کے بیس ہزار ارکان کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر پانچ ماہ بعد گولوالکر کو اگست ۱۹۴۸ء میں رہا کر دیا گیا، لیکن آر ایس ایس {RSS} پر پابندی برقرار رہی۔ ایم ایس گولوالکر (۱۹۰۶ء-۱۹۷۳ء) نے ہوم منسٹر آف انڈیا ولبھ پٹیل سے آر ایس ایس سے پابندی ہٹانے کی بات چیت کی۔ پٹیل نے آر ایس ایس کو کانگریس میں شریک ہونے کو کہا، گولوالکر نے انکار کر دیا۔ تب پٹیل نے گولوالکر سے آر ایس ایس کا ایک تحریری دستور العمل حکومت کو پیش کرنے کہا۔ گولوالکر نے یہ بھی نہ مانا اور گولوالکر نے 9/ دسمبر ۱۹۴۸ء سے ستیہ گرہ (Satyagarha) شروع کر دیا۔ تب حکومت نے گولوالکر اور آر ایس ایس کے ساٹھ ہزار ارکان کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔

گرفتاریوں کے بعد آر ایس ایس کے دیگر لیڈروں نے جنوری ۱۹۴۹ء میں ستیہ گرہ کو ختم کر دیا اور آر ایس ایس کا ایک دستور العمل لکھ کر 11/ اپریل ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند کو پیش کر دیا۔ وزیر داخلہ ولبھ پٹیل نے اسے منظوری دی، تب آر ایس ایس سے 11/ جولائی ۱۹۴۹ء کو پابندی ہٹائی گئی، اور حکومت ہند نے ایک بیان جاری کیا کہ گولوالکر کے دستور ہند (Constitution of India) سے وفاداری کے وعدہ پر اور ملک ہند کے قومی جھنڈا (National Flag) کو تسلیم کرنے کی شرط پر آر ایس ایس سے پابندی ہٹائی گئی ہے، جس کی وضاحت آر ایس ایس (RSS) کے جمہوری طرز پر پیش کردہ دستور العمل (Democratically-drafted Constitution) میں کی گئی ہے، یعنی یہ دستور العمل آر ایس ایس کے تمام ارکان کی جانب سے حکومت ہند کو پیش کی گئی ہے۔

دستور ہند اور قومی جھنڈا

آر ایس ایس نے 17/ جولائی ۱۹۴۷ء کو مطالبہ کیا کہ بھگوا دھوج (Bhagwa Dhwaj) یعنی زعفرانی جھنڈا (Saffron Flag) کو ملک کا قومی جھنڈا تسلیم کیا جائے۔ تین رنگی جھنڈا کو آر ایس ایس نے قبول نہیں کیا، کیونکہ مختلف رنگ، ملک کے اندر مختلف مذاہب کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے 22/ جولائی ۱۹۴۷ء کو تین رنگی جھنڈا (Tri-Colour) کو قومی جھنڈا قرار دیا، لیکن آر ایس ایس کے دفتر پر بھگوا جھنڈا لہراتا رہا۔ 26/ جنوری ۲۰۰۱ء کو راشٹر پریمی یووادل (Rashtrapremi Yuwa Dal) کے صدر بابا مینڈھے (Baba Mendhe) اور اس کے ممبران، رمیش کالمبے (Ramesh Kalambe)، دلیپ چٹانی (Dilip Chattani) اور دیگر لوگ آر ایس ایس کے ہیڈ کوارٹر ناگپور میں داخل ہو گئے، ان لوگوں نے زبردستی وہاں قومی پرچم لہرا دیا اور محبّ وطن نعرے (Patriotic Slogans) لگانے لگے۔ ان لوگوں کا آر ایس ایس کے کارکنوں سے اس بات پر جھگڑا ہوا کہ آر ایس ایس نے آج تک کبھی بھی یوم آزادی (Independence Day) یا یوم جمہوریہ (Republic Day) کے موقع پر اپنے ہیڈ کوارٹر کے احاطہ میں قومی جھنڈا نہیں لہرایا۔

مذکورہ تینوں افراد کے خلاف پولیس نے مقدمہ درج کیا اور ان تینوں کو جیل کی سزا ہوئی۔ گیارہ سال بعد سال ۲۰۱۳ء میں ان تینوں کو جیل سے رہائی ملی۔ اس درمیان اس مقدمہ بازی اور آر ایس ایس کی قومی پرچم کشائی نہ کرنے کی خبر ملک بھر میں پھیل گئی۔ پارلیامنٹ میں بھی اس پر چرچا ہوا۔ تب سال ۲۰۰۲ء میں یوم جمہوریہ کے موقع پر پہلی مرتبہ آر ایس ایس کے ہیڈ کوارٹر میں قومی جھنڈا لہرایا گیا۔ 26/ جنوری ۱۹۵۰ء کو پہلا یوم جمہوریہ منایا گیا تھا، اس طرح 52/ سال بعد آر ایس ایس نے قومی جھنڈا کو عملی طور پر بادل ناخواستہ قبول کیا۔

آر ایس ایس {RSS} نے سیکولر دستور ہند اور قومی جھنڈا کی قبولیت کی تحریر 11/ اپریل ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند کو سپرد کر دی تھی، لیکن اس وعدہ کے باوجود آر ایس ایس کی جانب سے دستور ہند اور قومی جھنڈا پر تنقیدیں ہوتی رہتی ہیں۔ جب ملک کا سیکولر دستور 26/ نومبر ۱۹۴۹ء کو ہندوستانی پارلیامنٹ سے پاس ہو گیا تو آر ایس ایس نے 30/ نومبر ۱۹۴۹ء کو اسے غیر معتبر قرار دیا اور اس کی جگہ اس نے ''منوسمرتی'' {Manu Smriti} کو ملک کا قانون قرار دیا، یعنی انڈیا ہندو ملک ہے، اس لیے ہندو قانون یہاں جاری ہوگا۔ اسی طرح کسی نہ کسی شکل میں آج تک دستور ہند اور قومی جھنڈا کی مخالفت آر ایس ایس کی جانب سے ہوتی رہتی ہے۔

ہندو مذہبی کتابوں کے اصول

قوم ہنود کی مذہبی کتابوں میں جو قوانین اور اصول وضوابط ہیں، انہیں دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ ''ہندو راشٹر'' کا دستور کیسا ہوگا؟ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوگا کہ جب ملک ہندو راشٹر تھا تو باشندگان ملک کے ساتھ کیا کیا مظالم ہوتے تھے۔ یہ قوانین بنانے والے برہمن لوگ تھے۔ آریہ قوم کے پنڈتوں نے ہی ''وید'' اور ''منواسمرتی'' لکھی ہے۔ ہندوؤں میں برہمن قوم ہی مذہب کے ٹھیکیدار تھے۔ مذہبی کتابیں صرف برہمن پڑھ سکتے تھے، دوسروں کو اجازت نہ تھی۔ ہندو مذہب میں شودروں کو انتہائی ذلیل وحقیر تصور کیا جاتا اور ان پر ہر طرح کا ظلم ڈھایا جاتا۔ اپنی جانیں بچانے کے لیے یہ لوگ جنگلوں، پہاڑیوں اور ویرانوں میں جا کر پناہ لیتے۔ انہیں دسیو (دشمن) اور داس (غلام) سمجھا جاتا۔ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا۔ جب ہندو قوم اپنی ہم مذہب شودر قوم سے ایسا ظالمانہ برتاؤ کرتی تھی تو پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرے گی؟ جبکہ مسلمان ان کے ہم مذہب بھی نہیں، بلکہ مسلمانوں نے آریوں کی حکومت پر قبضہ کر کے تمام

انسانوں کو مساوی سلوک کا حقدار قرار دیا اور یہی انسانی مساوات ہندومت کے لیے زہر قاتل ہے۔

آریہ قوم توحید پرست تھی، لیکن ہندوستان میں دراوڑ قوم کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھ کر یہ قوم بت پرست بن گئی، پھر آریوں نے اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے انہیں شودر اور اچھوت قرار دیدیا۔اسی طرح اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد ہندی مسلمانوں کو اچھوت اور ملیچھ قرار دیدیا۔ آر ایس ایس، ہندومہاسبھا، وشو ہندو پریشد اور دیگر ہندو تنظیموں کا عظیم کارنامہ یہی ہے کہ ملک کے ماحول کو انہوں نے تعفن خیز ونفرت انگیز بنادیا۔اگر بھارت ''ہندوراشٹر'' بن جائے تو مسلم، عیسائی، بدھشٹ، جینی، سکھ اور مجوسی قوم کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟؟؟

جیسے آریوں نے توحید پرستی چھوڑ کر مقامی مذہب یعنی دراوڑ دین دھرم کو اپنا لیا، اسی طرح آریائی اقوام یہ چاہتی ہیں کہ قوم مسلم بھی دین اسلام سے دستبردار ہو کر ہندو مذہب اختیار کرلے، حالانکہ یہ ایک ایسا خواب ہے، جس کی کوئی تعبیر نہیں۔اسلام کے علاوہ اب کوئی مذہب دربار الٰہی میں قابل قبول نہیں، یعنی اسلام کے علاوہ اب کوئی دین آخرت میں نجات دلانے والا نہیں، خواہ وہ آسمانی مذہب ہو، یا غیر آسمانی ۔پس اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو اختیار کرنے سے کیا فائدہ؟ واضح رہے کہ اس مضمون میں منوسمرتی کے قوانین کے اعتبار سے تشریحات کی گئی ہیں اور وہ تمام اسکات خصم کے لیے الزامی جوابات ہیں، ورنہ سناتن دھرم یعنی ہندو مذہب ایک غیر آسمانی خودساختہ مذہب ہے۔اس کی بنیاد بت پرستی پر ہے، اور بت پرستی شرک ہے۔رب تعالیٰ نے ہر آسمانی مذہب میں حضرت آدم علیہ السلام کی آل واولاد کو شرک وبت پرستی سے منع فرمایا ہے۔اسلام کے قوانین رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے {Allah Made} ہیں، جبکہ ہندو دھرم کے قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے {Man Made} ہیں۔اسلامی قوانین کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے، جو حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا، پھر رب تعالیٰ کے ارشاد مبارک کے مطابق وموافق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کی تفصیل وتشریح بیان فرمائی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔قرآن مجید کسی بھی قسم کی تحریف اور تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ دیگر آسمانی وغیر آسمانی کتابوں میں تحریف ہوسکتی ہے، بلکہ تحریف وتبدیلی ہوئی بھی ہے۔

آریوں نے ملکی دراوڑوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔اپنے راجاؤں اور مہاراجاؤں کو اللہ کا اوتار قرار دیا۔اسی لیے یہ لوگ رام کو بھی اللہ کا اوتار مان کر اس کی پوجا کرتے ہیں، کیونکہ رام کا شمار بھی راجاؤں میں ہوتا ہے۔ویدوں میں برہمنوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے شلوک بنا کر داخل کیا اور یہ مشہور کیا کہ شودروں سے اللہ ناراض ہے، اس لیے ان سے حکومت چھینی گئی۔اب ان کا مقدر یہ ہے کہ وہ برہمنوں اور آریوں کی خدمت کریں، تاکہ اگلے جنم میں انہیں راحت ملے۔

''منوسمرتی'' ہندو دھرم کی قدیم قانونی کتاب ہے۔اس کے مصنف کا نام ''منوجی'' ہے۔بھارت کی برطانوی حکومت کی گذارش پر منوسمرتی کا انگریزی ترجمہ سب سے پہلے ولیم جانس {William Jones} نے کیا، جو ۱۷۹۴ء میں شائع ہوا۔انگریزی عہد میں اسی کتاب کے مطابق قوم ہنود کے مذہبی وعائلی معاملات کے فیصلے ہوتے تھے، جیسا کہ مسلمانوں کے فیصلے قرآن وفقہ کی روشنی میں ہوتے تھے۔میں نے شودروں سے متعلق ''منوسمرتی'' کے اشلوکوں کو ''منوسمرتی'' (سنسکرت مع ہندی ترجمہ) مترجم: پنڈت گریجا پرساد ڈویویدی {Pandit Girija Parsad Dvivedi} طبع اول ۱۹۱۷ء، مطبوعہ: نول کشور پریس (لکھنو) سے اخذ کیا ہے۔آسانی کے لیے ہندی عبارتوں کی بجائے مفہوم کو اردو قالب میں ڈھالنے کی کوشش ہوئی ہے۔راقم الحروف کے پاس منوسمرتی کے سنسکرت، ہندی، انگلش اور عربی نسخے موجود ہیں۔بوقت ضرورت تقابل کی بھی کیا گیا ہے۔بعض مقامات پر شلوک کے نمبر یا ترجمہ میں کچھ

فرق بھی محسوس ہوا۔ میں سنسکرت سے ناآشنا ہونے کے سبب ان تراجم پر ہی اعتماد کیا۔

ویداور منوسمرتی

(۱) ہندو قانون کی اصل اول ''وید'' ہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۲،شلوک ۶،ص ۲۴)

(۲) منو جی نے جو کچھ بیان کیا، وہ وید کے احکام ہیں۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۲،شلوک ۷،ص ۲۴)

(۳) احکام مذہبی وید میں ہیں اور قانون سمرتی میں ہے۔پس یہی دونوں مذہب کی اصل ہیں تو ان میں اختلاف سے بچو۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۲،شلوک ۸، ۹،ص ۲۴)

مذکورہ بالا شلوکوں سے معلوم ہوا کہ وید اور منوسمرتی ہندو دھرم کی اصل کتابیں ہیں۔ان کتابوں میں بیان کردہ احکام تمام ہندوؤں کے لیے واجب العمل ہیں۔

شودروں کا مقام

(۱) برہمن کے نام میں لفظ منگل یعنی خوشی اور کشتری کے نام میں لفظ بل یعنی طاقت اور ویشیہ کے نام میں لفظ دھن یعنی دولت اور شودر کے نام میں لفظ نندا یعنی حقارت شامل کرنا چاہئے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۲،شلوک ۳۱،ص ۲۹)

ہندو دھرم میں شودروں کو کتنا حقیر سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نام میں بھی تحقیر وتذلیل شامل کرنے کی نصیحت کی جارہی ہے، حالانکہ اسی دھرم میں حیوانوں سے بھی محبت کا درس دیا گیا ہے۔لگتا ہے کہ ہندو مذہب شودروں کو حیوانوں سے بھی بدتر درجہ دیتا ہے۔آج بھی قوم ہنود ''گائے'' کو جو درجہ دیتی ہے، مسلمانوں کو اس سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔اسی لیے ایک گائے کے بدلے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔عہد ماضی میں جیسا سلوک شودروں کے ساتھ کیا جاتا تھا، اب بی جے پی حکومت میں وہی سلوک مسلمانوں کے ساتھ ہورہا ہے۔

(۲) برہمن، کشتری اور ویش دوبارہ پیدا ہوئے ہیں اور شودر کا پہلا جنم ہے، اور ان چار کے علاوہ کوئی پانچواں طبقہ نہیں ہے۔(منوسمرتی ادھیائے ۱۰،شلوک ۴،ص ۳۷۶)

دوجنم کا نظریہ پیش کرکے آریائی اقوام نے خود کو شودروں سے افضل قرار دیدیا۔تناسخ اور آواگون کا ایک غلط عقیدہ شودروں کو انسانیت کے دائرہ سے باہر کردیا۔اس کے باوجود شودر ہندو دھرم سے چپکے ہوئے ہیں۔بہت سے تعلیم یافتہ شودروں نے یہی سب کچھ دیکھ کر ہندو مذہب ترک کردیا، بلکہ ماضی قریب میں شودر قوم کے مشہور رہنما اور ہندوستان کے وزیر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے بھی ہندو دھرم چھوڑ کر بدھ مذہب کو اختیار کرلیا تھا۔

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی پیدائش 14/ اپریل ۱۸۹۱ء کو مہو، مدھیہ پردیش (Mhow, MP) میں ہوئی۔6/ دسمبر ۱۹۵۶ء کو دہلی میں موت ہوئی۔آزادی ہند کے بعد 29/ اگست ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر امبیڈکر کو دستوری ڈرافٹنگ کمیٹی کا چیئر مین منتخب کیا گیا۔امبیڈکر کا تعلق مہاراشٹر کی ہندو دلت (Dalit) قوم سے تھا، جو مہر (Mahar) کہلاتی ہے۔ہندو مذہب میں چھوت چھات (Untouchability) کے رواج کے سبب ڈاکٹر امبیڈکر نے 14/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ناگپور (مہاراشٹر) میں ہندو مذہب کو ترک کرکے بدھ مذہب کو قبول کرلیا۔امبیڈکر کو دیکھ کر اس کے دلت معتقدین میں سے قریباً پانچ لاکھ لوگوں نے بدھ دھرم کو قبول کرلیا۔

چھوت چھات کے خلاف امبیڈکر کی تحریک سال ۱۹۲۰ء سے موت تک جاری رہی، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ڈاکٹر

امبیڈکر نے دلتوں کے لیے الگ انتخاب کی تحریک بھی چلائی۔گاندھی جی نے سال ۱۹۳۲ء میں دلت قوم کو ہریجن (Harijan) کا لقب دیا۔امبیڈکر نے اس لقب کو پسند نہ کیا،اور دستور ہند میں دلت قوم کو درج فہرست ذات {Scheduled Caste} لکھا،پھر سرکاری کاغذات میں بھی یہی لکھا جانے لگا۔ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو مذہب میں چھوت چھات کے عقیدہ کی مضبوطی اور قوت اور اس غیر منصفانہ نظام کو دیکھتے ہوئے ۱۳/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایولا، ناسک (مہاراشٹر) کی ایولا کانفرنس {Yeola Conference} میں کہا کہ وہ ہندو مذہب پر نہیں مرے گا۔ایک مرتبہ امبیڈکر نے تمام دلتوں کو ہندو مذہب سے نکالنے کا پروگرام بنایا،لیکن گاندھی جی کی فہمائش پر یہ کام نہ ہو سکا۔

شودر کی لڑکی اور آریائی اقوام

(۱) برہمن،کشتری،ویشیہ تینوں ورن اگر محبت کی وجہ سے نیچ ذات کی لڑکی کے ساتھ شادی کریں تو اولاد اور اپنے خاندان کو جلد برباد کر دیتے ہیں۔(منوسمرتی،ادھیائے ۳،شلوک ۱۵،ص ۶۸)

(۲) شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے برہمن جہنم (نرگ) میں جاتا ہے،اور اس کے لڑکا پیدا ہونے سے دھرم کرم سے الگ ہو جاتا ہے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۳،شلوک ۱۷،ص ۶۸)

(۳) جس برہمن کے گھر میں شودر کی کنیا دیوکرم اور پترکرم کرتی ہے اس کے دیئے ہوئے ہبہ اور کبیہ کو دیوتا اور پتر نہیں لیتے اور برہمن سورگ میں نہیں جاتا ہے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۳،شلوک ۱۸،ص ۶۹)

(۴) جو برہمن شودر کی لڑکی سے لب سے لب ملائے یا اس کے منہ کی ہوا کو اپنے بدن میں لگنے دے،اور اس سے اولاد پیدا کرے،اس کے گناہ کا کوئی کفارہ نہیں۔(منوسمرتی،ادھیائے ۳،شلوک ۱۹،ص ۶۹)

مندرجہ بالا اشلوکوں میں شودروں کی انتہائی تذلیل واہانت ہے کہ شودروں کی لڑکی سے کوئی شادی کرلے تو اس کی اولاد اور سارا خاندان تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔پلنگ پر بٹھائے تو جہنم میں جائے۔اس سے اولاد ہو تو دھرم کرم سب اکارت۔برہمن کے گھر میں شودر لڑکی نیک کام بھی کرے تو برہمن جنت سے محروم۔شودر لڑکی کے منہ کی ہوا برہمن کو لگ جائے تو برہمن کی توبہ بھی قبول نہیں،یعنی وہ برہمن اتنا نجس اور ناپاک ہو گیا کہ اب وہ پاک ہونے کے قابل بھی نہیں۔جس قوم کے شاستروں اور مذہبی کتابوں میں اس طرح کی تعلیم دی گئی ہو،کیا وہ قوم کبھی روادار اور انصاف پرست ہو سکتی ہے؟ وہ انسانوں کو برابری کا درجہ دے سکتی ہے؟ اسلام پر کیچڑ اچھالنے والے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔کیا شودر اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں؟ آخر کیوں انہیں انسانیت سوز سلوک کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے؟

شودروں کی نجاست و بے اعتباری

(۱) شودر کی یگیہ (ایک مذہبی تقریب) میں یگیہ کرانے والا برہمن اپنے جسموں سے جتنے برہمنوں کو چھوتا ہے،اتنے برہمنوں کے دینے کا اجر دینے والا نہیں پاتا۔(منوسمرتی،ادھیائے ۳،شلوک ۱۷۸،ص ۹۵)

اس اشلوک سے معلوم ہوا کہ شودر ایسا ناپاک ہے کہ گر برہمن اس کی یگیہ میں یگیہ کرائے تو وہ برہمن ایسا نجس ہو جاتا ہے کہ وہ جتنے برہمنوں کو چھو دے،وہ سب نجس ہو جائیں گے،اور ان کے دینے کا کچھ پھل یا اجر نہ ہوگا۔

(۲) دانشور برہمنوں کو شودر کے گھر کا پکا ہوا کھانا نہ کھانا چاہئے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۴،شلوک ۲۲۳،ص ۱۵۳)

(۳) شودر کے ساتھ کہیں نہیں جانا چاہئے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۴،شلوک ۱۴۰،ص ۱۳۸)

آریوں کو شودروں پر کوئی اعتبار نہیں ،ان کے ساتھ اکیلے کہیں جانے سے منع کیا گیا۔ابھی جو شودروں کو لبھایا جارہا ہے ،اس کا مقصد محض ''ہندوراشٹر'' کا قیام ہے۔

شودر کی حکومت سے ہجرت کا حکم

(۱) جس گاؤں میں شودر کی حکومت ہو،اور جس میں ادھرمی پاکھنڈی چنڈال آدمی فساد کرتے ہوں،اس گاؤں میں نہ رہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۴،شلوک ۶۱،ص ۱۲۴)

آریائی اقوام کو چاہئے کہ جب بھارت میں کوئی شودر پرائم منسٹر ہو تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔شاید اسی لیے آر ایس ایس خوب زور لگا تا ہے کہ بی جے پی کی حکومت ہو،تا کہ شودروں کی حکومت سے وہ محفوظ ہو جائیں۔ڈھائی فیصد برہمن کی سازش سے سارا ملک مصیبتوں میں مبتلا ہے۔

(۲) جس راجہ کے یہاں مقدمات کے فیصلے شودر کرتا ہو،اس راجہ کا راج اس کے دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے،جیسے دلدل میں گئو پھنس کر مر جاتی ہے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۸،شلوک ۲۱،ص ۲۴۹)

اب آریائی اقوام شودروں کو عدلیہ میں جج کے طور پر کیسے قبول کر سکتی ہیں۔اسی لیے مودی حکومت آنے کے بعد اس حکومت نے ججوں کی تقرری میں مرکزی حکومت کو شریک کار ہونے کا قانون بنایا تھا،جسے سپریم کورٹ نے رد کر دیا۔

(۳) جس سلطنت میں شودر اور ملحد کثرت کے ساتھ ہوں،وہ حکومت بہت جلد قحط اور وبا کے سبب تباہ ہو جاتی ہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۸،شلوک ۲۲،ص ۲۴۹)

اسی لیے بھارت کے برہمن،مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی کوشش میں لگے ہیں کہ کہیں ملک ہند تباہی کا شکار نہ ہو جائے۔

شودروں کو تعلیم کی ممانعت

(۱) شودر کو وید یا شاستر نہ پڑھانا چاہئے،اور شودروں کو جوٹھا کھانا اور دیوتا کا چڑھاوا نہ دے ،اور دھرم کی تعلیم بھی شودر کو نہ دے۔(منوسمرتی،ادھیائے ۴،شلوک ۸۰،ص ۱۲۸)

اس اشلوک کے اعتبار سے شودر جوٹھا کھانا دینے کے لائق بھی نہیں،نہ ہی شودروں کو تعلیم دی جائے۔اب شودر اقوام کو چاہئے کہ فوراً آر ایس ایس سے الگ ہو جائیں،کیونکہ آر ایس ایس اور بی جے پی دراصل برہمنوں کی تحریک ہے۔حصول مقصد کے لیے شودروں کو استعمال کیا جاتا ہے،جب قانون کی کتاب ہی تعلیم سے منع کر رہی ہے تو مذہب کا ٹھیکیدار یعنی برہمن اچھوت اقوام کی تعلیم کا انتظام کیونکر کر سکتا ہے؟ شودر تو قانونی طور پر جوٹھا دینے کے لائق بھی نہیں۔اسی طرح شودروں کو تعلیم سے بھی محروم رکھا جائے،تا کہ وہ برہمنوں اور راجپوتوں سے آگے نہ بڑھ جائیں،بلکہ اگر شودروں کے پاس دولت ہو تو وہ بھی لوٹ لی جائے،اس کا بیان آنے والا ہے۔

(۲) جو شخص شودر کو دھرم اور برت (روزہ) وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے،وہ اس شودر کے ساتھ اسمبرت نامی جہنم میں جاتا ہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۴،شلوک ۸۱،ص ۱۲۸)

جب شودروں کو دھرم کی تعلیم دینے والا بھی جہنم میں جاتا ہے تو اس تعلیم سے شودروں کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ جو دھرم اپنی تعلیم سے بھی شودروں کو روک رہا ہے،وہ دھرم آخرت میں شودروں کو نجات کیسے دلا سکتا ہے؟ جو مذہب دنیا ہی میں شودروں کو طرح طرح کی مصیبتوں

اور ذلتوں کے گڈھوں میں پھینک رہا ہے، وہ آخرت میں اچھوت اقوام کی مدد کیسے کرسکتا ہے؟

(۳) شودر کے پاس نہ پڑھے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۴، شلوک ۹۹، ص ۱۳۱)

کیا برہمن وراجپوت بھارت کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں شودروں کا ٹیچر، لیکچرر، ریڈر و پروفیسر ہونا گوارا کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی لیے تو برہمن سرکاری ملازمت میں شودروں اور مسلمانوں کے ریزرویشن (محفوظ حصہ) کے خلاف ہیں۔ ماقبل میں گذرا کہ جہاں شودر کی حکومت ہو، وہاں سے بھاگ جائے تو اب نہ اسمبلی و پارلیامنٹ میں اور نہ انتظامی شعبہ جات میں آریائی اقوام شودروں کو منظور کرسکتی ہیں۔ ہاں، ابھی شودروں کو قریب کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھارت کو ہندوراشٹر بنایا جائے۔ جب ہندوستان ''ہندوراشٹر'' بن جائے گا تو شودر کو ''ہندوقانون'' خود ہی اپنی منزل پر لے آئے گا، پس شودر اقوام کو خود ہی سنبھل جانا چاہئے۔

(۴) جو شودر آریوں کو مذہب کی تعلیم دے، راجہ اس کے منہ اور کان میں گرم تیل ڈالے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۲، ص ۲۹۴)

دھرم کی تعلیم پر شودر کو یہ سزا ہے۔ پھر اس دھرم کو اپنا کر شودر کیسے نجات پاسکتا ہے؟ بلاتعلیم آخر وہ اپنے دھرم پر عمل کیسے کرے گا؟

شودروں کی سزا میں ناانصافی

(۱) اگر کوئی شودر کسی برہمن، کشتری یا ویشیہ سے سخت کلامی سے پیش آئے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے، کیونکہ شودر پیر سے ہوا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۰، ص ۲۹۲)

شودر کو آریوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر شودر انہیں کچھ اونچ نیچ بول دے تو زبان کاٹ لی جائے۔ اگر خدانخواستہ ملک ''ہندوراشٹر'' بن جائے تو نہ جانے کتنے شودروں کی زبانیں کٹ جائیں گی۔ پتہ نہیں یہ الہام کس پر ہوا تھا کہ شودر آریہ قوم کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

(۲) جب شودر، برہمن، کشتری اور ویشیہ (دوبارہ جنم لینے والوں) کو نام اور ذات کو بول کر بدکلامی کرے تو اس کے منہ میں دس انگل کی جلتی ہوئی لوہے کی کیل ڈالنی چاہئے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۱، ص ۲۹۳)

شودر اگر کسی آریائی قوم کے فرد کو ایسا کہے تو یہی سزا ہے۔ شودر کی جان آریوں کے یہاں جانوروں سے بھی بدتر ہے، پھر بھی شودر اقوام ہندو دھرم سے کیسے منسلک ہیں؟ تعجب ہوتا ہے۔

(۳) شودر، آریوں کو اپنے بدن کے جس حصے سے مارے، اس حصہ کو کاٹ دیا جائے، ہاتھ سے مارے تو ہاتھ کو اور پیر سے مارے تو پیر کو کاٹ دیا جائے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۹، ص ۲۹۴)

(۴) نچلی ذات والا، اونچی ذات والے کو جسم کے جس حصہ سے تکلیف دے، اس حصہ کو کاٹ دیا جائے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۸۰، ۲۹۴)

(۵) چھوٹی ذات کا آدمی اونچی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کی کمر میں نشان کر کے ملک سے نکال دیا جائے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۸۲، ص ۲۹۴)

شودر، آریوں کی نشستگاہ پر بھی بیٹھ جائے تو اس کی کمر میں نشان کر کے اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ اگر ملک ہندوراشٹر بن گیا تو برہمن اور آریائی اقوام ملک کو ایک تماشہ گاہ بنادیں گی۔ جب ملک ہندوراشٹر بن جائے گا تو شودروں کا حال کیا ہوگا؟ پھر برہمن عقیدہ میں مسلمان تو

شودروں سے بھی گھٹیا بالکل ملیچھ ہیں، ان کی حالت کیسی ہوگی؟

(۶) شودر، آریوں کے بدن پر تھوکے تو دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے، اور پیشاب کرے تو عضو تناسل کاٹ ڈالے اور پادے تو مقعد کا گودا کاٹ ڈالے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۸۳، ص ۲۹۴)

ہندودھرم میں شودر کا مقام یہ ہے۔اسی لیے سابق وزیر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے ہندودھرم کو چھوڑ کر ''بدھ دھرم'' کو اپنا لیا تھا۔اگر کوئی شودر کسی آریائی کے بدن پر تھوک دے تو سزا یہ ہے کہ اس دونوں ہونٹ چھید ڈالے جائیں اور آریائی اقوام کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ شودروں کے ساتھ جو چاہیں، سو کریں۔

(۷) جو شودر اونچی ذات والے کا بال، پاؤں، داڑھی، گردن وفوطہ کو پکڑے تو فوراً بلا تامل اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۲۸۴، ص ۲۹۴)

آج کل ہندودھرم کے لوگ اسلامی قوانین پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور اسے ظالمانہ قوانین قرار دیتے ہیں۔وہ لوگ ذرا اپنے گھر کی خبر لیں۔شودر اگر برہمن کا بال پکڑ لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، کیا یہ ظلم عظیم نہیں ہے۔

بدکاری کی منھ دیکھی سزائیں

(۱) شودر اگر برہمن عورت سے جماع کرے تو شودر کا عضو تناسل کاٹ دیا جائے، اور دولت چھین لی جائے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۳۷۴، ص ۳۰۹)

عورت کے لیے کوئی سزا نہیں، سزائیں شودر ہی کے لیے ہیں۔عضو کاٹنے پر بھی صبر نہیں، دولت بھی چھین لی جائے۔انگلش وعربی تراجم میں اسی شلوک میں ہے کہ اگر شودر کسی آریائی عورت سے بدکاری کرے تو اس کی دو صورت ہے۔اگر وہ عورت اپنے شوہر وغیرہ کے ذریعہ محفوظ نہیں ہے تو شودر کا عضو تناسل کاٹا جائے، اور تمام دولت چھین لی جائے۔اگر وہ عورت محفوظ ہے تو شودر کا عضو کاٹا جائے، دولت چھین لی جائے، اور شودر کو قتل کر دیا جائے۔

(۲) شودر اگر برہمن عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو شودر کو ہلاک کر دیا جائے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۳۵۹، ص ۳۰۷)

(۳) ویشیہ اگر برہمن عورت سے بدکاری کرے تو اسے ایک سال قید میں ڈالا جائے، اور اس کی دولت چھین لی جائے۔کشتری اگر برہمن عورت سے بدکاری کرے تو ایک ہزار پن ڈنڈ کیا جائے، اور اس کا سر گدھے کے پیشاب سے مونڈوا دیا جائے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۳۷۵، ص ۳۱۰)

(۴) برہمن اگر کسی برہمنی عورت سے زبردستی بدکاری کرے تو ایک ہزار پن ڈنڈ دے اور برہمنی کی رضامندی سے کرے تو پانچ سو پن ڈنڈ دے۔(منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۳۷۸، ص ۳۱۰)

ایک ہی جرم چار قسم کے لوگ کریں تو سب کی سزا الگ ہے۔یہ کونسا انصاف ہے؟ اسی طرح منوسمرتی اور ہندوؤں کی مذہبی کتابیں ناانصافیوں سے بھری پڑی ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ ان امور کو بھی قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا، کیونکہ عہد حاضر میں قوم ہنود اسلامی حدود وتعزیرات کو ظالمانہ قوانین بتاتی ہے، حالانکہ ہندومت کے قوانین ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہیں۔

شودروں کو دولت سے محروم رکھنا

(۱) برہمن، اپنے غلام شودر سے دولت لے لے۔ اس میں کچھ بچار نہ کرے، کیوں کہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ (منوسمرتی ،ادھیائے ۸،شلوک ۴۱۷، ص ۳۱۶)

(۲) شودر طاقت رکھنے پر بھی دولت جمع نہ کرے، کیونکہ شودر کے پاس دولت ہو جانے سے وہ برہمنوں کو نقصان پہونچاتا ہے۔ جب جاہل کے پاس دولت ہوتی ہے تو وہ عالموں کی خدمت چھوڑ دیتا ہے، اور ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اس واسطے دولت سے شودر کا دھرم ناش ہو جاتا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۹، ص ۳۹۷)

ہندو دھرم میں شودروں کو علم وفضل، عزت وحرمت، دولت وثروت، حکومت وسلطنت اور دیگر تمام دنیاوی نعمتوں سے محروم رکھنے کی مکمل کوشش کی گئی ہے، اور برہمنوں کو بالکل ایک دیوتا کی طرح بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ آج بھی ملک ہند میں برہمن وراجپوت کا غرور وگھمنڈ انسانی اخلاق وکردار سے بہت دور ہے۔ آریائی قوم آج بھی یہی خیال کرتی ہے کہ وہ آج بھی بھارت کے بے تاج بادشاہ ہیں، گرچہ دستور ہند نے انہیں عام شہریوں کی طرح ایک شہری قرار دیا۔ اسی طرح چھوت چھات کے خلاف بھی قوانین بنائے گئے، تاہم آریوں کا غرور کسی طرح کم نہ ہو سکا۔

(۳) اگر نیچ ذات والا آدمی لالچ سے بڑی ذات والوں کے کام اور پیشہ کو اپنائے تو راجہ اس کی تمام دولت ضبط کر کے ملک سے باہر کر دے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۰، شلوک ۹۶، ص ۳۹۲)

شودر کوئی اچھا پیشہ بھی اختیار نہ کرے، بلکہ وہ گھٹیا قسم کے پیشے سے ہی منسلک رہے، تا کہ ہمیشہ فقر وفاقہ میں مبتلا رہ کر آریوں کی غلامی کرتا رہے۔

شودروں کی پیدائش کا مقصد

(۱) برہمنوں کی خدمت کرنا شودروں کا سب سے بڑھ کر دھرم ہے، اور جو شودر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کرتا ہے، وہ اپنی زندگی برباد کرتا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۴، ص ۳۹۴)

(۲) برہمن کی غلامی سے شودر کو نجات ملے گی۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۳، ص ۳۹۴)

(۳) شودر کا اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں کہ وہ برہمنوں کی خدمت نہ کرے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۵، ص ۳۹۴)

(۴) خریدے ہوئے و بنا خریدے شودروں سے خدمت ہی کروائے، کیونکہ خالق نے شودروں کو خدمت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۴۱۲، ص ۴۱۶)

(۵) شودر آزاد کرنے سے بھی آزاد نہیں ہوگا اور نہ ہی خدمت سے چھٹکارا پائے گا، اگر چہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہو۔ کیونکہ اسے کوئی آزاد نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ جس نے اسے پابند بنایا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۸، شلوک ۴۱۳، ص ۴۱۶)

برہمنوں کے مظالم کی معافی

(۱) جس برہمن کو رگ وید یاد ہو، وہ اگر تینوں جہانوں کا ناس کر دے تو پھر اس کے اوپر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۱۱، شلوک

۲۶۲،ص۴۴۲)

(۲) برہمن کی ہر حال میں تعظیم ہونی چاہئے ،گرچہ وہ تمام گھٹیا کام کرے ،کیونکہ برہمن معبود ہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۹ ،شلوک ۳۱۹،ص۳۷۱)

(۳) راجہ کو چاہئے کہ وہ کسی برہمن کو سزا نہ دے، اگر چہ اس نے کیسا ہی گناہ کیا ہو۔(منوشاستر ادھیائے ۸،شلوک ۳۸۰،ص۳۱۰)

(۴) اگر برہمن زمین میں دفن خزانہ پائے تو وہ تمام مال لے لے، کیونکہ برہمن درحقیقت اس دنیا کی ہر چیز کا مالک ہے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۸،شلوک ۳۷،ص۲۵۲)

(۵) اگر بادشاہ زمین میں دفن خزانہ پائے تو وہ آدھا مال برہمن، کشتری اور ویشیہ کو دے اور آدھا اپنے خزانہ میں رکھے۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۸،شلوک ۳۸،ص۲۵۲)

(۶) برہمن کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے جسمانی تکلیف دی جائے گی ،خواہ وہ کوئی بھی گناہ کرے، بلکہ اسے ملک بدر کر دیا جائے گا۔(منوسمرتی ،ادھیائے ۸،شلوک ۳۷۹،ص۳۱۰)

ویدوں میں شودروں کے احکام

(۱) شودروں کے سینکڑوں مستحکم قلعے تھے، جن کو ہمارے بہادر راجہ نے فتح کیا۔(رگ وید)

(۲) نذر و نیاز کے ساتھ گا بجا کر اس دیوتا کو خوش کرو، جس نے راجاؤں کے ساتھ مل کر کالے رنگ کے بے دین شودروں کو برباد کر دیا ہے، اور جس نے تم کو طاقتور بنا دیا ہے۔(سام وید)

(۳) اے اگن دیوتا! تو شودروں کے جوڑوں کو کچل دے۔ کچا گوشت کھانے والے دیوتا تو یہ بھنا ہوا گوشت کھا۔(اتھر وید)

(۴) جو شخص برہمن کی توہین کرتا ہے، وہ پاتال کے نرک (جہنم) میں جا گرتا ہے۔(اتھر وید)

(۵) اے اندر دیوتا! برہمنوں کے دشمنوں کو اس جہاں میں رکھ، جہاں اندھیرا ہے، روشنی کا نام ونشان نہیں۔(اتھر وید)

(۶) نرک بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ جو برہمن کو مانگنے پر بھی دان (خیرات) نہیں دیتا۔(اتھر وید)

(۷) جو شخص برہمن کو سفید پاؤں والی بھیڑ خیرات میں دیتا ہے، وہ سورگ (جنت) میں جاتا ہے۔(اتھر وید)

برہمنوں نے اپنے کو عزت وعظمت کے ساتویں آسمان پر بیٹھا دیا اور شودروں کو حیوانوں سے بھی بدتر قرار دیدیا۔ مذہب اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ابھی اسلام قبول کر کے مومن ہو گیا تو اس کے حقوق تمام مسلمانوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور وہ تمام مسلمانوں کا بھائی قرار پاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ''(سورہ حجرات: آیت ۱۰) یعنی اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں۔ اسلام کی منصفانہ تعلیمات خود یقین دلا دیتی ہیں کہ یہ مذہب خدا کی جانب سے ہے اور فطرت انسانیہ کے بالکل موافق ہے۔ اسلامی قانون میں کوئی عظیم اور کوئی رذیل نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان عظیم ہی ہے۔ مسجد کی ایک ہی صف میں بادشاہ وگدا ،آقا وغلام ،پیر ومرید، استاذ وشاگرد، امیر وغریب ،سید وغیر سید ،عربی وعجمی ،عالم وجاہل الغرض تمام مسلمان ساتھ ساتھ عبادت الٰہی کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز

خضر راہ

اس کالم میں قارئین و دانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

کیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے؟

صادق رضا مصباحی (ممبئی)

''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت'' جیسے مقولے بولنے اور سننے میں جتنے اچھے لگتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ان کے عملی نفاذ میں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جنھیں عبور کرنا بہت کم لوگوں کے بس کا کام ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ملک میں جتنی شدت سے اتحاد کی باتیں ہوتی رہی ہیں اور جس قدر اتحاد کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اسی شدت سے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جا رہی۔ اس کے پیچھے کوئی اور نہیں خود مسلمانوں کی نمائندہ سمجھی جانے والی جماعتیں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بعض ذمے داران ہیں۔ صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

پہلی یہ کہ تین طلاق کے مسئلے پر بورڈ نے سپریم کورٹ میں حلف نامہ داخل کر دیا ہے کہ اب مسلم کمیونٹی یک بارگی تین طلاق دینے والے کا سماجی بائیکاٹ کرے گی۔ بظاہر تو یہ بڑا اچھا فیصلہ معلوم ہوتا ہے، بہت سارے لوگ بورڈ کے اس اقدام کی ستائش بھی کر رہے ہیں، مگر اس کے ہولناک نتائج پر بورڈ کی نظر نہیں گئی ہے۔ غلط نتائج کے خدشے کے پیش نظر اہل سنت کے علما نے بھی بورڈ کے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ ایک سیدھا سادھا مسلمان کس کی مانے اور کس کی نہ مانے۔ حکومت کے نزدیک بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، وہ تو اسی کی مانے گی۔ بورڈ سے الگ رہنے والوں کی کیوں کر مانے گی؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں انتشار جوں کا توں باقی رہے گا، یہ کبھی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکیں گے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ بورڈ کے ایک ذمے دار ولی رحمانی نے کہا ہے کہ بورڈ کو تین طلاق کے مسئلے پر سپریم کورٹ کا فیصلہ منظور ہوگا۔ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا بورڈ کو وہ فیصلہ بھی منظور ہوگا جو قرآن وسنت کے مخالف ہوگا؟ پتہ نہیں کس خمار میں رحمانی کی زبان سے یہ بات نکل گئی۔ بورڈ کو شاید اندازہ نہیں کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر حکومت کا آلہ کار بن چکا ہے، اور وہ وہی کہہ رہا ہے جو حکومت اس سے کہلوانا چاہتی ہے۔

اس تناظر میں کہنے کی بات صرف یہ ہے کہ بورڈ، تمام ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ ہاں، جزوی یا ضمنی طور پر وہ ہر مسلک کی نمائندہ ہو سکتی ہے کیوں کہ بورڈ نے سبھی مسالک کے لوگوں کو نمائندگی دی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو نمائندگی دی ہے، کیا وہ اپنی جماعت میں اتنی اہمیت رکھتے ہیں؟ کیا انہیں اہم علمی استعداد حاصل ہے؟ کیا وہ کسی مسئلے کا گہری بصیرت کے ساتھ ادراک کرنے کے اہل ہیں؟ کیا ان کی ہر بات کو ان کی جماعت کے بڑے قبول کر لیں گے؟ اگر وہ اپنی جماعت کے نمائندہ نہیں ہیں تو انہیں بورڈ میں شامل کر کے یہ کیوں ثابت کیا جا رہا ہے کہ بورڈ تمام مسلمانوں کا نمائندہ ہے؟ یہاں سوال یہ بھی ہے کہ اگر اہل سنت و جماعت کی اعلیٰ سطحی قیادت

کو پرسنل لا بورڈ میں شمولیت کی دعوت دی جائے تو کیا آسانی سے قبولیت مل جائے گی؟ مگر اس سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا بورڈ کے ذمے داروں نے اہل سنت کی اعلیٰ سطحی قیادت کو بورڈ میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے؟ دراصل بورڈ کسی کو حقیقی نمائندگی دینا ہی نہیں چاہتا۔ اسے صرف چہرے چاہیے، جنہیں دکھا کر حکومت اور سیکولر حلقوں کی جانب سے بورڈ پر ہر مسلک کی مہر لگوائی جا سکے۔ یہی سوچ کر بورڈ نے اہل سنت کے غیر مرکزی علما کو شامل کر لیا ہے، تا کہ ببانگ دہل کہا جا سکے کہ ہم تمام فرقوں کے نمائندہ ہیں۔ اہل سنت کی کسی مستند اور اہم خانقاہ یا اہم ادارے کا کوئی بھی عالم دین اس بورڈ میں شامل نہیں۔

۱۹۷۲ء میں ممبئی کے مہاراشٹر کالج کے میدان میں جب مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل ہوئی تھی، اس وقت بلاشبہہ سبھی مسالک کے نمائندہ علما و مشائخ اس میں شامل تھے، لیکن دھیرے دھیرے مسلک اہل سنت کے علما دور ہوتے چلے گئے اور دیگر مسالک کے علما کی کثرت ہوتی گئی۔ پھر بہت بعد میں اہل سنت کے چند ایسے چہروں کو نمائندگی دی گئی جن پر اہل سنت کی مقتدر شخصیتوں کو وہ اعتبار و اعتماد حاصل نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا۔ بہت سارے مسائل میں یہ حضرات خاموش رہتے ہیں، بورڈ کے اعلیٰ سطحی ذمہ داران ہی بولتے ہیں۔ اس لیے حکومت اور ہندوستانی عوام یہی سمجھتے ہیں کہ بورڈ کا موقف ملک بھر کے مسلمانوں کا موقف ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے میں بورڈ کے موقف کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ وجہ وہی اعلیٰ سطحی نمائندگی نہ ہونا ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آغاز میں سارے مسالک کے لوگ شامل تھے تو بعد میں کچھ لوگ الگ کیوں ہو گئے؟ اصل میں یہ حضرات اقدامی پوزیشن کی بجائے دفاعی پوزیشن پر اتر آئے۔ عقائد و نظریات کے اختلافات کے باوجود ملی و سماجی مسائل کے حل کے لیے ان حضرات نے ایک پلیٹ فارم پر بیٹھنے کے نعرے تو بہت لگائے مگر عملاً کچھ نہیں کیا۔

ایک بات یاد رکھیے کہ حکومت تین طلاق کا حل نہیں چاہتی وہ دراصل اس راستے سے مسلمانوں میں تفریق کا بیج بو رہی ہے اور اس کے ذریعے ہندوؤں کو متحد کرنے میں کوشاں ہے۔ بظاہر تو حکومت نے گیند سپریم کے پالے میں ڈال دی ہے، سپریم کورٹ نے بھی اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا ہے مگر خفیہ ایجنسیوں نے حکومت کو اچھی طرح بتا دیا ہے کہ مسلمان کبھی ایک ہونے والے نہیں، ان کے درمیان کچھ واقعی اختلاف ہیں اور کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی ڈیڑھ کی مسجد ہر حال میں الگ بنانا ہی چاہتے ہیں، اس لیے ان کے درمیان پھوٹ پڑی ہی رہے گی۔ اس لیے وقت وقت پر ایسے مسائل اٹھائے جانے چاہیے، تا کہ یہ قوم انہی مسائل میں الجھی رہے۔

ہم مسلمان عام طور پر سیاسی لیڈروں اور حکومتوں کو اپنی زبوں حالی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، لیکن اگر گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ حکومتیں اور سیاسی لیڈران تو بس ہوا دیتے ہیں، جس سے دبی ہوئی چنگاری ابھر آتی ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے احوال کے لیے حکومت سے شکوہ نہ کر کے اپنی قیادت سے سوال کرنا چاہیے اور ذمہ دار خود کو ٹھہرانا چاہیے، نہ کہ حکومت کو۔ بس ہم احساس پیدا کر لیں، کیوں کہ احساس نہیں تو کچھ بھی نہیں، احساس نہیں تو زندگی نہیں، احساس کے بغیر زندگی راکھ کا ڈھیر ہے۔

اسلام سے متعلق جارج برنارڈ شا کے اعترافات: اسباب و محرکات

غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن، مالیگاؤں)

اسلام دین حق ہے۔ اس کی سچائی کا اعتراف مخالفین، معاندین و اغیار سبھی نے کیا ہے، اور امید کہ مستقبل میں بھی اس طرح کا اعتراف کیا جاتا رہے گا۔ درحقیقت یہ اعتراف اسلام کی صداقت و حقانیت اور دینِ فطرت ہونے کے سبب ہے۔ اعتراف کرنے والے ہر دور میں

رہے ہیں۔ ایسے اعترافات کی قدر و وقعت اتنی ہے کہ معترف اسلام کا احترام کرتا ہے، اس کی تعلیمات سے متاثر ہے، تعصب کے بغیر اس کی سچائی کا قائل ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ واقعی اسلام کے تئیں مخلص ہے! اگر اس نے اسلام کی واقعی قدر جان لی ہے تو قبولِ حق کیوں نہیں کر لیا! بہر کیف اس طرح کے اعترافات کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مخالفین میں بھی بعض کی زباں اعترافِ حق میں رطب اللسان ہے۔

جنھوں نے صدق دل سے اسلام کو تسلیم کیا، بالآخر ان کی منزل قبول اسلام رہی۔ مستشرقین اور دانشورانِ مغرب کا ایک ایسا طبقہ بھی گزرا جس نے ابتدا میں اسلام پر تحقیق صرف اس غرض سے کی کہ وہ کمزوریاں تلاش کریں گے اور اسلام کے مطالعے سے اسلام کے خلاف مؤثر حملے کر سکیں گے۔ پھر اسلامیات کے مطالعہ نے بہتوں کے دلوں کی دُنیا بدل دی۔ سچ کہا ہے محقق رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی نے: ''مطالعہ و مشاھدہ نیک و بد اور خیر و شر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے''...... ہوا یہ کہ مطالعہ قبولِ اسلام کا سبب بن گیا۔

جارج برنارڈ شا یورپ کا عظیم دانشور، ناقد، شاعر، ادیب اور سخن شناس گزرا ہے۔ مغربی مفکرین کی صف میں وہ نمایاں ہے، اقوام مغرب اس پر نازاں ہیں۔ اس نے اسلام سے متعلق کئی عمدہ تاثرات دیے ہیں؛ جنھیں ہمارے مصنفین بڑے چاؤ سے بیان کرتے اور بڑے شوق سے نقل کرتے ہیں، لیکن اس بابت بھی کبھی غور کیا گیا کہ اس کی فکر میں یہ بدلاؤ کہاں سے آیا؟ وہ تو ابتدا ہی سے اسلام کا بڑا مخالف تھا، اتہامات کا ایسا قائل تھا کہ اسلام سے متعلق تحقیق کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر شدت پسندانہ رویہ اختیار کرتا تھا جیسا کہ آج کے مغربی دانش وروں کا طرزِ عمل ہے۔ ہمارے اصحابِ قلم نے کبھی اس پہلو کو نہیں چھوا کہ وہ کون سی ذات تھی جس نے اسلام سے متعلق برنارڈ شا کی متشدد مزاجی کو کامیابی کے ساتھ بدلا۔

ایک صدی کی تاریخ کھنگالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ پوری دُنیا میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے حوالے سے سب سے زیادہ وسیع و عالمی پیمانے پر جس ذات نے سرگرمی دکھائی اور کامیابی کے ساتھ اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دیا، وہ ہندوستان کے عظیم سپوت ہیں جنھیں دُنیا مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۸۹۲ء-۱۹۵۴ء) کے نام سے جانتی ہے۔ آپ ''عالمی مبلغ اسلام'' بھی کہے جاتے ہیں۔ دُنیا کی بیش تر زبانوں میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت و دانش کے اس جوہر سے مالا مال تھے جس کا حکم اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں کتاب الٰہی میں دیا گیا ہے کہ: ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو'' (سورۃ النحل: ۱۲۵؛ ترجمہ کنز الایمان)

اسی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا کہ آپ نے براعظم افریقہ، یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، سورینام، ملایا، انڈوچائنا، چین، جاپان، فلپائن، برما، سری لنکا میں ہزاروں افراد کو داخلِ اسلام کیا۔ ان کی تربیت کے لیے مدارس و مساجد، اسلامک سنٹرز اور لائبریریاں قائم کیں۔ کالجز قائم کیے۔ رسائل و جرائد کا اجرا کیا، درجنوں کتابیں انگریزی، عربی اور اردو میں تصنیف کیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل تحریریں شائع کیں۔ آپ ہی نے جارج برنارڈ شا کو اسلام کی طرف دعوت دی، لیکن وہ قبولِ حق سے محروم رہا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس کے خیالات میں زبردست تبدیلی آئی اور کل تک جو اسلام کا مخالف تھا، وہ اب اسلام کے محاسن و کمالات کا معترف ہو چکا تھا۔

کینیا (جنوبی افریقہ) کے شہر ممباسا میں ۱۷؍اپریل ۱۹۳۵ء میں علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کا برنارڈ شا سے مکالمہ ہوا، جس نے برنارڈ شا کی فکر کو بدل ڈالا۔ اس نے اسلام سے متعلق اپنے شبہات پیش کیے، مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی نے ان کا ازالہ استدلال سے کیا۔ دی انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈز نے اس مکالمہ کی انگریزی میں اشاعت کی، بہ عنوان A Shavian and a Theologian سید طارق علی نے اردو ترجمہ کیا، ماہ نامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی نے مارچ ۱۹۷۲ء میں اور نوری مشن مالیگاؤں نے ۲۰۱۱ء

میں اس کی اشاعت کی۔

برنارڈ شا نے تشدد، جہاد، اسلام کی اشاعت کے ذرائع، اسلوبِ دعوت، قرآن کا نزول، انسانی حقوق جیسے عناوین پر اپنے اعتراضات پیش کیے۔ علامہ میرٹھی نے دلائل وامثال سے جوابات دیے، جس سے غبارِ فکر ونظر دور ہوا اور آخر میں برنارڈ شا نے وہ معرکہ آرا تأثر دیا جس کی معنویت کا مشاہدہ دنیا خود کر رہی ہے: ''تعلیم یافتہ، مہذب اور شائستہ لوگوں کا مستقبل کا مذہب ''اسلام'' ہے۔'' (مبلغ اسلام اور جارج برنارڈ شا،ص ۱۵، طبع مالیگاؤں)

جس طرح سے فرقہ پرست عناصر اور صہیونی سازشیں اسلامی حسن کو دھندلانے اور گہنانے کی کوشش میں ہیں، اگر مسلمان اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو گئے تو تمام حملے دم توڑ جائیں گے اور اسلامی حسن اور نکھر کر فکروں کو متاثر کرے گا۔

اور پیاس بجھنے لگی

قمر اخلاقی امجدی، استاد: جامعہ سعدیہ عربیہ (کیرلا)

سلسلہ تیغیہ ہندوستان کے تمام بڑے سلاسل کے صف اول سے شمار کیا جاتا ہے۔ پورے ملک کے مختلف مقامات میں اس سلسلہ کے سینکڑوں اور لاکھوں کی تعداد میں فیض یافتہ ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ کے خلفا وشیوخ نے ہندو پاک، بنگلہ دیش میں عموماً اور بالخصوص یوپی، بہار و بنگال کے دیہی علاقوں میں جس محنت ومشقت کے ساتھ تربیت افراد اور اصلاح اعمال کے گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں، وہ تاریخ کا ایک روشن پہلو ہے۔ اسی عظیم سلسلہ کے روحانی اور مشہور معروف بزرگ شیخ طریقت طبیب ملت غواص بحر معرفت مولانا حافظ الشاہ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی علیہ الرحمہ ہیں، جن کی تعلیم وتربیت سے ایک جہاں آباد ہے اور بے شمار گم گشتگان راہ ان کے فیض وکرم سے ہادی ومہدی بن چکے ہیں۔

کتاب ''انوار تصوف''

آپ نے مسترشدین میں اصلاح اعمال اور روحانی تربیت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم فرمایا اور سالکین معرفت کی پیاس بجھانے کے لیے ایک اہم بیش قیمت رسالہ تالیف فرمایا۔ ارباب علم ودانش اور حلقہ ارادت کے متلاشیان معرفت وحقیقت عرصہ دراز سے اس کتاب کے منتظر تھے۔ الحمدللہ یہ شدت انتظار کی گھڑی اب ختم ہو گئی اور ان کی پیاس بھی بجھنے لگی۔ مدرسہ اسلامیہ تیغیہ اخلاق نگر کے زیر اہتمام سید المرسلین کانفرنس منعقدہ ۳۰/ مارچ ۲۰۱۷ء کو اس کتاب کا اجرا ہندوستان کے مشہور معروف علما ومشائخ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس تالیف کے سبب حضرت طبیب ملت علیہ الرحمہ سلاسل طریقت کے ان شیوخ میں شمار ہونے لگے، جنھوں نے مبتدی سالک کے لیے رسالے اور کتابیں تالیف فرمائیں۔ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کسی ایک سلسلہ یا فرد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام سلاسل کے شیوخ ومریدین کے لیے یکساں مستفاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مباحث اور نکاتی بیانات کے مطالعہ کے بعد آپ خود یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مادہ پرستی کے اس عہد میں آپ نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ فن تصوف کا احیا فرمایا ہے۔ بطور مثال اس کتاب کے چند جواہر پارے درج ذیل ہیں۔

آپ نے مرید صادق کے لیے تحریر فرمایا۔ ''اے طالب حق! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ارادت کس کو کہتے ہیں؟ ارادت دل کے اس میلان کا نام ہے جو خیال کو ایک خاص مقصد کی طرف جما دے اور ایسی تحریک پیدا کر دے جس سے طلب ظاہر ہو یعنی اس چیز کی

تلاش میں لگا رہے، جو مراد و مقصود ہے۔ وہ مراد اگر اعلیٰ ہے تو ارادہ بھی بہتر و برتر ہو، اس لیے کہ صحیح اور کامل رادت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آمیزش، دینی و دنیاوی اغراض و تغیر و تبدل سے پاک ہو، اسباب و وجوہات کی رکاوٹیں اس میں حائل نہ ہوں اور کسی طرح کی خواہش اس پر غالب ہو کر اس کو منقطع نہ کر سکے، بلکہ وہ آدمی جس میں ارادت کی جلوہ گری ہوئی ہو۔

بعض ایسے ہیں کہ ان کی ارادت میں تو ضعف نہیں ہوتا مگر کمزوری قُوٰی اور دیگر موانع کے باعث اپنی ارادت کو ہر ایک شائبہ سے پاک نہیں کر پاتے۔ بعض ایسے ہیں کہ درستی ارادت کے بعد مراد کو دور دیکھ تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور پژمردہ دل ہو جاتے ہیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ ریا و عجب صاحب ارادت کا پیچھا نہیں چھوڑتے، ادھر اس میں مریدی کی شان آئی، اس نے اطاعت کے لیے گردن جھکائی اور ادھر سر اٹھا کر کہنے لگا۔ ''انا فلاں بن فلاں''۔ پھر یہ تمنا بھی ہونے لگی کہ پوری دنیا مجھے غوث، قطب، ابدال اور ولی کہے۔

اے طالب حق! مرید صادق وہی ہے جس کی ارادت ہر ایک آمیزش سے پاک ہو، نہ اس میں دنیا طلبی ہو، نہ درجات عقبیٰ کی تمنا ہو، صرف اللہ کی ارادت ہو، اگر ذرہ برابر بھی ماسوا کی طرف لگاؤ باقی ہے تو ارادت ناقص ہی رہے گی۔ یہاں پر ہم ایک نہایت مناسب مثال پیش کرتے ہیں جس سے طالب کو پوری تشفی ہو جائے گی۔ دیکھو! مکاتب غلام ہوتا ہے یعنی جسے اس کے مالک نے اس کو کاغذ پر لکھ دیا ہو کہ جس وقت تو اتنے روپے ادا کر دے گا، آزاد ہو جائے گا۔ اگر اس غلام نے مثلاً ایک ہزار روپیہ میں سے نوسو ننانوے روپے ادا کر دیے اور ایک روپیہ بھی ادا نہ کرے، تو وہ غلام ہی رہے گا، آزاد نہیں ہو سکتا، ''المکاتب عبد وان بقی علیه درهم'' مسئلہ شرعی ہے یہی حال ارادت کا ہے۔ طریقت میں ارادت کا وہی درجہ ہے جو درجہ نیت کا شریعت میں ہے جس طرح شریعت میں عبادت بے نیت کے کوئی قدر نہیں رکھتی، اسی طرح طریقت میں جو حرکت بغیر ارادت کے ہوگی اس کا کچھ وزن نہ ہوگا''۔ (انوار تصوف: ص، ۳۹)

آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ارادت کی حقیقت کو حضرت طبیب ملت نے کس بیش قیمتی موتی کی طرح پیش کیا غرض کہ پوری کتاب سالکان طریقت کے لیے ایک رہبر و رہنما اور بہترین تحفہ ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آپ نے انوار قلب کے تعلق اس حلاوت کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ لکھتے ہیں:

''اے طالب حق! معلوم ہو کہ دل جب صاف ہو جاتا ہے، طبعی زنگ مٹ جاتا ہے اور صفات بشریت کی سیاہیاں دور ہو جاتی ہیں تو یہی دل انوار غیبی کے ظہور کے لائق ہو جاتا ہے، ابتدائی حالت میں وہ نور اکثر برق یا تیز روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ آئینہ دل میں جتنا اچھا صیقل ہوگا یہ نور اپنا رنگ اتنا ہی زیادہ دکھائے گا، اس کے بعد وہی برق کی طرح چمک جاتا تھا، رفتہ رفتہ اس میں ایک ثبات و قیام پیدا ہو جاتا ہے، اب وہی نور بتدریج چراغ یا شمع یا مشعل کی مانند چمکتا ہے، پھر علوی نور پیدا ہوتا ہے، ابتدا میں یہ انوار ستاروں جیسے ہوتے ہیں، پھر چاند کی طرح دکھائی دیتے ہیں، پھر آفتاب کے مثل نظر آتے ہیں، جو نور برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے، اکثر و بیشتر وضو یا نماز یا کثرت وظیفہ وغیرہ کی برکت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چناں چہ مروی ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ وروحہ کا ایک مرید ایک مرتبہ وضو کر کے حجرہ میں داخل ہوا، ناگاہ ایک نور دیکھا۔ چیخ اٹھا اس گمان میں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ خداوند تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا اور اسی مستی میں نعرہ مارا۔ حضرت شیخ ابوسعید اس حال سے واقف ہو گئے۔ فرمایا اے ناتجربہ کار! تو کہاں ہے؟ اس نور کو تو نے کیا سمجھ لیا؟ ارے یہ نور تیرے وضو کا ہے۔ تیری بساط اور وہ بارگاہ؟ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ اے طالب حق! اس وقت اس مرید کے سر پر اگر پیر کا سایہ نہ ہوتا تو وہ ہلاک ہو جاتا''۔ (انوار تصوف: ص، ۶۳)

معلوم ہوا کہ سلوک کے ہر مقام پر شیخ کامل سخت ضرورت ہے، ورنہ بندہ مبتدی سالک کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھے اور وہ ہلاک بھی ہو جائے۔ ذکر و اذکار کی اہمیت پر درج ذیل پیراگراف قابل مطالعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کا ذکر جب دل میں اتر جاتا ہے تو ہر آن ذکر میں گزرتا ہے، عیش وطیش، خوشی وغمی کسی سے بھی دل متاثر نہیں ہوتا، ہر حال میں ذکر جاری رہتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی مصیبت کی حالت میں بھی نماز قضا نہ کی، قضا کرتے بھی کیسے؟ جب یہ نماز نانا جان نے دل میں اتاری تھی، نانا جان نے دل میں صبر ورضا کا جو پودا لگایا تھا، یزیدی ظلم کی آندھیاں اسے جنبش بھی نہ دے سکیں''۔ (انوار تصوف: ص، ۸۹)

معلوم ہوا اصل میں ذکر الٰہی کی توفیق بھی کسی شیخ ومرشد کے توسل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ بغیر مرشد کامل کچھ بن پاتا نہیں اس لیے سالک کے لیے اولاً یہی ضروری ہے کہ وہ مرشد کامل کی تلاش کرے، جو مرشد اپنے مرید کو سلوک کے ہر محاذ سے آگاہ کرتا رہے، کیونکہ اس راہ میں ہلاکت بھی قریب ہوتی ہے۔ البتہ اگر شیخ کامل کا سایہ رہا تو تمام مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ اس تعلق آپ فرماتے ہیں:

''اے طالب حق! معلوم ہونا چاہیے کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ توبہ کے بعد طالب پر ضروری ہے کہ ایسا پیر تلاش کرے جو شریعت پر عامل اور طریقت میں کامل ہو، طریقت کے نشیب وفراز سے آگاہ اور صاحب حال وقال ہو۔ صفات جلالی کے قہر وغضب اور صفات جمالی کے لطف وکرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ پیر میں جو چار چیزیں ضروری ہیں ان کا مصداق ہو، اور ایسا طبیب حاذق ہو گیا ہو کہ مرید کے جملہ امراض وعوارض باطنیہ کا علاج جانتا ہو اور کر سکتا ہو''۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿کونوا مع الصادقین﴾ ترجمہ: سچوں کے ساتھ ہو۔ (توبہ، ۱۱۹، کنز الایمان) انوار تصوف: ص، ۲۵)

ایک مقام پر شیخ کامل کے بارے اس طرح فرماتے ہیں: ''مبتدی طالب کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیخی کا اہل کون ہو سکتا ہے اور مرتبہ مقتدائی کا مستحق کون ہے؟ اس امر کی تشریح بزرگان دین خصوصا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ تعالی عنہ اپنے مکتوب میں اس طرح کرتے ہیں:

''فرماتے ہیں کہ اہلیت شیخی اجمالا پانچ رکنوں پر رکھی ہے اور ان پانچ رکنوں کو اس آیت کریمہ سے نکالا گیا ہے ﴿فوجدا عبدا من عبادنا اٰتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما﴾ (سورہ کہف، آیت ۶۵)

ترجمہ: تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (کنز الایمان)

حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشان مریدی ومتعلمی حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تو مقام شیخی ومعلّمی کے اعتبار سے آپ کے پانچ مراتب ظاہر ہوئے۔

پہلا مرتبہ: عبدیت کا اختصاص جو اللہ کے قول "من عبادنا" سے ظاہر ہے۔

دوسرا مرتبہ: اس حقیقت کو قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد جس کا نزول بلا واسطہ حضرت خداوند تعالیٰ سے ہوا کرتا تھا یہ "اتیناہ رحمۃ" سے روشن ہے۔

تیسرا مرتبہ: اس امر کی خصوصیت کہ مقام عندیت سے رحمت خاص کی دریافت حاصل تھی۔ یہ رب تعالیٰ کے قول "رحمۃ من عندنا" سے واضح ہے۔

چوتھا مرتبہ: حضرت خداوند نے بے واسطہ علم سکھائے تھے یہ "علمناہ" سے صاف صاف نکلتا ہے۔

پانچواں مرتبہ: انہیں علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی جس کا انکشاف "**من لدنا علما**" سے ہو رہا ہے''۔'' (انوار تصوف: ص، ۳۱، ۳۲)

اسی طرح پوری کتاب کا ایک ورق ورق معرفت کا ایک خزانہ ہے۔ دعا ہے کہ رب تعالیٰ حضرت طبیب ملت علیہ الرحمہ کی اس سعی

مبارک کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو سالکین راہ تصوف کے لیے رہنما بنائے۔ آمین

مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا

محمد میاں مالیگ [لندن]

خالق کائنات اللہ جل مجدہٗ نے قرآن کریم میں مومنین کو ناموں کے بگاڑنے سے واضح لفظوں میں منع فرمایا۔(۱۱/۴۹) اسی طرح اپنے برگزیدہ بندوں کے ذومعانی ناموں اور خطابات میں سے مذموم معانی اختیار کرنے اور اچھے معانی سے صرفِ نظر کرنے سے بھی منع فرمایا۔ حضور سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جن کے قدموں کی دھول کے برابر بھی اب کوئی نہیں بن سکتا، ہرگز نہیں بن سکتا، بالکل نہیں بن سکتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق رب تعالیٰ نے حضرات خلفائے راشدین، امہات المومنین، عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر واحد حتیٰ کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو متنبہ فرمایا کہ مومنو! تم تو میرے رسول کو بلاشبہہ نیک نیتی سے...... راعنا یا رسول اللّٰہ...... کہہ کر مخاطب کرتے ہو، لیکن منکرین فضائل رسالت بھی چوں کہ اب...... راعنا...... کے ذومعانی ہونے کے سبب اس کے ایک مذموم معنٰی کے سبب ہنسی مذاق، بلکہ توہین وتنقیص کی نیت سے رسول کے لیے اس لفظ کو استعمال کرنے لگے ہیں، لہٰذا کسے باشد، اب آئندہ کوئی خلیفۂ راشد یا ام المومنین یا مبشر بالجنہ یا صحابی بدر واحد یا صحابی رسول میرے محبوب کے لیے...... راعنا...... کا لفظ ہرگز ہرگز استعمال نہ کرے، ورنہ منکرین فضائل رسالت کافروں کی طرح اسے بھی عذاب الیم کا شکار ہونا پڑ جائے گا۔(۲/۱۰۴)

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں اللہ رب العزت جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو بشر میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا، وہ مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔...... بلکہ خالق کائنات جل جلالہٗ کے یہاں تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ حضرات خلفائے راشدین یا امہات المومنین یا عشرۂ مبشرہ یا اصحاب بدر واحد یا صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان میں سے کوئی بھی بشر رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں اگر اتنی اونچی آواز سے تو تو میں میں کر لے، جتنی اونچی آواز سے ان کی عدم موجودگی میں اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری نمازوں، تمام عبادات حتیٰ کہ ایک ایک نیک عمل کو نیست ونابود کر دے گا، نسیاً منسیا فرما دے گا اور اسے پتہ بھی کچھ نہ چلے گا۔(۴۹/۲)

اللہ کے دربار میں تو اللہ کے نیک بندوں کی یہ قدر ومنزلت قرآن واحادیث سے ثابت ہے، لیکن کتنے بڑے ماتم کا ہے یہ مقام کہ موجودہ دور میں منکرین فضائل رسالت ان برگزیدہ بندوں کو اپنے جیسا معمولی بشر قرار دے کر ڈاکٹر اقبالؔ کے تجزیے کے مطابق یہود ونصاریٰ کی شہ پر خوب خوب ان کی تنقیص وتوہین کرنے لگے ہیں اور خدا کا ذرہ برابر بھی خوف نہیں کرتے۔

وہ چھٹی صدی ہجری تھی اور ابھی تک ہندوستان میں ناریوں کا دور تھا، دل جل رہا تھا نور کا...... ایسے میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشارے پر ''سنجر'' کے ایک سید معین الدین اجمیری یہاں تشریف لائے، اور شرک وبدعات میں ڈوبے اس خطۂ زمین کو ''بقعۂ نور'' بنا گئے۔ ہزاروں منکرین توحید ورسالت آپ کے دست حق پر مومن توحید ورسالت بنے اور آج برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں جتنے بھی مومنین ہیں، اکثر وبیشتر انھیں کے مرہونِ منت اور ان کے دست اقدس پر ایمان لانے والوں کی اولادیں ہیں، لیکن کیا بتائیں کہ گزشتہ دنوں یا بارہ برس پہلے ہی سہی اسی ہندوستان کے ایک بدبخت منکر فضائل رسالت معراج ربانی نے سید معین الدین اجمیری سنجری کے نام کے ایک ذومعانی اہم جز ''خواجہ'' کی آڑ میں اپنے، بلکہ ...... (باقی صفحہ ۵۲ پر)

باغ وبھار

مدارس اسلامیہ کے طلبا و طالبات اور اسکول و کالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق و تربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین{Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ/کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ و بہار'' کے مضامین اس ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ) tariqueanwer313@gmail.com

پانی ٹھنڈا یا گرم؟

سدرہ فاطمہ بنت عطاء المصطفیٰ عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ) کلاس پنجم :الیبنی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر، کلکتہ)

گرم پانی بہت سے امراض کو دور کرتا ہے، جبکہ ٹھنڈا پانی بہت سی بیماریوں کا ذریعہ بن جاتا ہے، خاص کر فریج کا کولڈ واٹر {Cold Water} بہت نقصان پہونچاتا ہے۔پانی کو گرم کرنے سے اس میں پائے جانے والے جراثیم مرجاتے ہیں۔ملک چین اور کیرلا، آندھرا و کرناٹکا (ساؤتھ انڈیا) میں لوگ گرم پانی پیتے ہیں۔پانی ہلکا گرم ہونا چاہئے۔اگر زیادہ گرم ہو چکا ہو تو تھوڑی دیر انتظار کریں، تاکہ گرمی کم ہو جائے۔پانی کو ابالنے سے اس کی آلودگی و گندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ابالنے کے بعد پانی کو چھان لیا جائے تو یہ پانی بالکل صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔جسم میں پانی کی کمی کے سبب بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے پانی زیادہ پینا چاہئے۔گرم پانی پینے کے فوائد نیچے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) رات کو نیند نہ آئے تو پینے کے لیے گرم پانی استعمال کریں (۲) گرم پانی پینے سے جلد تر و تازہ رہتی ہے، اور جلد پر موجود جراثیم ختم ہوتے ہیں (۳) جسم کا وزن کم ہوتا ہے، اور موٹاپا سے نجات ملتی ہے (۴) جسم سے زہریلے مادے نکل جاتے ہیں (۵) گرم پانی پیٹ کی بیماریوں کو دور کرتا ہے (۶) گرم پانی پینے سے خون کی روانی تیز ہو جاتی ہے، اور جسم کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

صبح خالی پیٹ قریباً چار گلاس (160 CC) گرم پانی پینا چاہئے، پھر پون گھنٹہ تک کچھ نہ کھائیں۔اگر ایک بار چار گلاس نہ پی سکیں تو تھوڑا تھوڑا کر کے پی لیں، اس سے مندرجہ ذیل بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ساتھ میں بیماریوں سے شفایابی کی مدت بھی لکھ دی جارہی ہے۔

(۱) سخت سر درد، 3/دن (۲) ہائی بلڈ پریشر، 30/دن (۳) کالی کھانسی، 4/مہینے (۴) دمہ، 4/مہینے (۵) خون کی کمی، 30/دن (۶) دل کی دھڑکن کا اچانک تیز یا آہستہ ہو جانا، 30/دن (۹) چربی/کولیسٹرول، 4/مہینے (۱۰) مرگی، 9/مہینے (۱۲) بھوک کم لگنا، 10/دن (۱۳) مثانہ و پیشاب کی بیماریاں، 10/دن (۱۴) رگوں کا بند ہو جانا، 6/مہینے (۱۵) آنکھ، کان و گلے کی بیماریاں، 20/دن (۱۶) شوگر، 30/دن۔

بعض لوگ گرم پانی پیتے ہیں، بعض نارمل پانی پیتے ہیں اور بعض فریج کا ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔فریج کا ٹھنڈا پانی نقصان دیتا ہے۔اگر مٹی کی صراحی یا مٹی کے کسی برتن میں رکھ کر پانی ٹھنڈا کیا جائے تو یہ فائدہ مند ہے۔مٹی کے برتن کو ہر تیسرے دن دھل لیا جائے، اور پانی کو ہر تیسرے دن بدل لیں۔فریج کے ٹھنڈے پانی کے نقصانات یہ ہیں۔

(۱) فریج کا ٹھنڈا پانی ہارٹ اٹیک {Heart Attack} کا سبب بنتا ہے (۲) جگر {Liver} کو نقصان پہونچاتا ہے (۳) شوگر

{Sugar} کا سبب بنتا ہے(۴)معدہ اور بڑی آنت کو نقصان پہونچا کر کینسر {Cancer} کا سبب بنتا ہے۔

سنتوں کے سائنسی فوائد

محمد سمیع اختر بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس چہارم: گیان بھارتی پبلک اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

(۱)مٹی کے برتنوں میں کھانا، پینا سنت ہے: اگر کوئی شوگر پیشنٹ دھاتوں کے برتنوں کا استعمال چھوڑ کر کھانے، پینے اور پکانے کے لیے مٹی کے برتنوں کا استعمال کرے تو چند مہینوں میں بلا کسی دوا کے اس کا شوگر نارمل ہو جائے گا۔ پکانے کے لیے بھی مٹی کی ہانڈی، مٹی کا توا وغیرہ استعمال کرے۔

(۲)دوپہر کو قیلولہ کرنا یعنی تھوڑی دیر سونا سنت ہے: سائنسدانوں نے کہا کہ قیلولہ یعنی دوپہر کو پندرہ سے تیس منٹ تک کی نیند ذہنی ہوشیاری، یادداشت، دماغی افعال کو بڑھانے اور مزاج کو خوشگوار بنانے کے لیے بہت مفید ہے۔ اس سے بلڈ پریشر بھی کم ہوتا ہے۔

(۳)مسواک کرنا سنت ہے: سائنسی تحقیق میں بتایا گیا کہ مسواک میں معدنیات کی کثیر مقدار پائی جاتی ہے، جو صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

(۴)سونے سے پہلے تین بار بستر جھاڑنا سنت ہے: سائنسی تحقیق میں بتایا گیا کہ انسانی جسم میں میٹابولزم {Metabolism} کا عمل 24 / گھنٹے جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے ہر لمحہ سینکڑوں نئے سیل (خلیہ) بنتے ہیں اور پرانے ٹوٹ جاتے ہیں۔ سونے کے دوران جسم سے ٹوٹنے والے سیل {Cell} بستر پر گر جاتے ہیں، جو انتہائی چھوٹے ہونے کے سبب نظر نہیں آتے۔ اگر بستر کو جھاڑے بغیر اس پر سویا جائے تو یہ مردہ سیل جسم میں داخل ہو کر کئی مہلک بیماریوں کا سبب بنتے ہیں، اس لیے سائنس دانوں نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ ان مردہ سیل کو دور کرنے کے لیے بستر کو کم از کم تین بار جھاڑنا ہوگا، تاکہ مردہ سیل بستر سے ختم ہو جائے۔

(۵)مال میں برکت کا وظیفہ: آپ کپڑے کی ایک تھیلی بنالیں، جب آپ کو تنخواہ ملے یا کسی ذریعہ سے رقم حاصل ہو تو اس کو تھیلی میں رکھ کر تین بار درود شریف، پھر اکتالیس بار سورہ کوثر، پھر تین بار درود شریف پڑھ کر اس تھیلی میں پھونک دیں۔ جب ضرورت ہو تو ایک بار سورہ کوثر پڑھ کر اس تھیلی سے رقم نکال لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت برکت ہوگی، پورا مہینہ روپیہ ختم نہ ہوگا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام اور قوم ہنود کی فطرت

مصباح المصطفیٰ بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس ہشتم: مانس پربھا پبلک اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین محدث بہاری (۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء) نے تحریر فرمایا کہ سرسید نے مسلمانوں کے لیے کانگریس کی شرکت کو زہر قاتل باور کیا اور سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے روکا تھا۔ اس کا ایک حد تک اثر ہوا اور مسلمانوں کی شرکت کی رفتار کمزور ہوگئی، تاہم مسٹر حسن امام اور مسٹر مظہر الحق جیسے لوگ اس میں شریک ہو گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۲/۴۳ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

ملک العلما نے لکھا: ”مذکورہ حالات کے پیش نظر سرسید نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نامی ایک جلسہ کی بنیاد ڈالی، اور اس کا جلسہ بھی سال بسال سالانہ ایک نہ ایک شہر میں دسمبر کی اخیر تاریخوں جن میں کانگریس کا جلسہ ہوا کرتا، انہیں تاریخوں میں کرنے لگے۔ ہاں، اس کا ضرور لحاظ کیا کرتے تھے، کانگریس کا جلسہ اگر ڈھاکہ میں ہو تو کانفرنس کا لاہور یا بمبئی میں ہو، تاکہ سب مسلمان کانفرنس میں شریک ہوں اور کانگریسی شرکت سے احتراز کریں۔ سرسید ہندؤوں کی ذہنیت سے خوب اچھی طرح واقف تھے، اور زمانہ کا رنگ بھی پہچاننے میں کمال تھا۔ سمجھے کہ تیس

ہزار انگریز برسر اقتدار ہیں تو ہندو اور مسلمان دونوں کو پار نہیں لگنے دیتے۔ جب تیس کروڑ ہندو برسر اقتدار ہو جائیں گے تو دس کروڑ مسلمان ان سے کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔ دوسری بات وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ انگریزوں کے نکالنے کی جو دلیل پیش کرتے ہیں یعنی یہ غیر ملکی ہیں، اس لیے ان کو ہندوستان میں رہنے کا اور ہندوستانیوں پر حکومت کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں سے مل کر اور مسلمانوں کو ملا کر ان کو نکالنا چاہتے ہیں اور اس میں ان کو کامیابی حاصل ہوگئی تو بعینہ اسی دلیل سے کل مسلمانوں کو نکالنے کے لیے اپنی قوم کو ابھاریں گے، اور ان کو نکال باہر کریں گے، نیز وہ سمجھتے تھے کہ سینکڑوں برس تک باہر سے آنے والے مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے اور ہنود کو زیر نگیں رکھا ہے۔

انگریزوں کے چلے جانے کے بعد حکومت جمہوری اصول پر قائم ہوگی۔ مسلمان ایک چوتھائی ہیں اور ہندو تین گنا زائد ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو ووٹنگ کی نوبت آئے گی۔ تعداد ان کی زائد ہے، ووٹ انہیں کا زائد ہوگا اور اسی کے مطابق قانون بنے گا تو یہ حکومت ہندوستانیوں کی نہ ہوگی، بلکہ ہندوؤں کی ہوگی تو اس کے معنٰی یہ ہیں، مسلمان اہل کتاب انگریزوں کی غلامی سے نکل کر بت پرست ہندوؤں کی غلامی میں آ جائیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہندو صرف تعداد ہی میں زائد نہیں ہیں، بلکہ علم وفن میں بھی بڑھے ہوئے ہیں اور مالی حیثیت میں بھی مسلمانوں سے بالاتر ہیں اور ان کا بہت بڑا اثر حکومت میں ہوتا ہے، نیز وہ یہ جانتے تھے کہ انگریز بے دین ہیں، وہ مذہب عیسوی کے پیرو برائے نام ہی ہیں، خاص ان کو اس بارے میں غلو نہیں ہے، ان کو اپنی حکومت سے کام ہے۔

قوانین حکومت کی خلاف ورزی نہ ہونی چاہئے۔ رعایا کا مذہب کچھ بھی ہو، اس سے ان کو بحث نہیں، بلکہ سب کے مذہب کا استحفاظ ان کی حکومت کا سنگ بنیاد ہے۔ بخلاف ہنود کے کہ جس قدر ان کا مذہب باطل، خلاف عقل ونقل ہے، اس سے زیادہ وہ اس پر ثابت قدم اور اس کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں تو ہر قدم پر تصادم ممکن ہوگا۔ ایک گائے ہی کو لے لیجئے کہ ان کے نزدیک اس کے ہر عضو پر خدا جانے کتنے دیوتا ہیں، دوسری طرف یہ مسلمانوں کی روزانہ کی خوراک ہے، اور بقرعید میں قربانی کرنے میں آسانی اور کفایت اور گوشت کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور یہ قوم انگریزوں کی طرح وسیع القلب بھی نہیں کہ رواداری برت سکیں۔ خواہ مخواہ مسلمانوں سے نزاع وجدال بلکہ قتل وقتال کی نوبت آئے گی، اور مسلمانوں کا آرام اور ان کی عافیت درکنار، زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اس وجہ سے سرسید برابر مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے منع کرتے رہے، اس وجہ سے ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کی رفتار بہت سست رہی''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۲ ص ۴۵)

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مبارک

صبیحہ نوری بنت منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتا مڑھی (بہار) کلاس نہم: سنچیما گرل اسکول، بھدراوتی ضلع شیموگہ (کرناٹک)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو مومن اپنی نسبت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف کرے، وہ ان کے مریدین میں سے ہیں۔ آپ نے رقم فرمایا۔ ''امام یکتا سیدی ابوالحسن نور الملۃ والدین علی قدس سرہ ''بہجۃ الاسرار شریف'' میں فرماتے ہیں۔ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی۔ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو، اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو، نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو۔ کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا؟

(حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا) ''مـن انتـمٰـی اِلَیَّ وتسمّٰی لی، قَبِلَهُ اللّٰهُ تَعَا لٰی وَتَا بَ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ عَـلٰـى سَبِيْـلٍ مَـكْرُوْهٍ - وَهُوَمِنْ جُمْلَةِ اَصْحَا بِیْ - وَاِنَّ ربي عزوجل وعدني أن يد خل أصحابي واهل مذهبي وكل محبي الجنة''.

جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بیشک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا، والحمدللہ رب العلمین''۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۱۲۶)

ڈائلیسس کا آسان طریقہ

کاشف رضا بن عطاء المصطفیٰ عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ)　کلاس سوم: الپینی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر، کلکتہ)

گردوں کی صفائی کے لیے ماہانہ لاکھوں روپیے خرچ ہوتے ہیں۔ درحقیقت گردہ {Kidney} انسانی جسم سے فاسد اور نقصان دینے والے مادوں کو باہر نکالتا ہے۔ کبھی کسی وجہ سے گردہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، تب ہمیں ڈائلیسس کرانا پڑتا ہے۔ اگر ہم قدرتی طریقہ اختیار کریں تو آسانی کے ساتھ ہمارے جسم سے فاسد اور نقصان پہونچانے والے مادوں کو باہر کیا جاسکتا ہے اور گردوں کی بھی صفائی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح گردوں کی پتھری سے بھی نجات مل سکتی ہے۔

سبز دھنیا کا استعمال ہمارے ملک میں بہت عام ہے۔ سبز دھنیا یعنی تازہ دھنیا کی پتیوں کی ایک گٹھی لے کر اسے باریک کاٹ دیں، پھر اسے پانی میں ملا کر دس منٹ تک پکائیں۔ پانی اتنا ہو کہ وہ پکنے کے بعد دو لیٹر تک باقی بچ سکے۔ دس منٹ تک پانی کو پکانے کے بعد پانی کو چھان کر فریج میں رکھ دیں۔ ہر دن صبح ایک گلاس دھنیا کا پانی پی لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ کے اندر ہی گردوں کی صفائی ہوجائے گی۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ نسخہ صرف وہی لوگ استعمال کریں جنہیں گردوں کی تکلیف ہو، بلکہ ایک تندرست آدمی بھی اسے استعمال کرسکتا ہے، تاکہ وہ گردوں کی تکلیف سے محفوظ رہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۸ کا)...... پورے برصغیر کے ان بہت بڑے محسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جی بھر کر کوسا اور خوب خوب جلی کٹی سنائی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہند کے راجہ سرکار خواجہ کا کیا قصور اور کون سا جرم تھا جو یہ محروم القسمت دشمنِ اولیا، منکر فضائل رسالت ان کا اتنا بڑا دشمن بن بیٹھا ہے، حالانکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے (۶۰/ ۵۵)

اندریں حالات ''ہماری دعوت کا اصل محور قرآن وسنت کی دعوت ہے'' کے برائے نام مدعی، اللہ کے ایک سچے ولی کے بلا وجہ ہی دشمن بن بیٹھنے والے اس منکر فضائل رسالت کے خلاف کیا ہم یہ بددعا کرنے میں حق بہ جانب نہیں کہ یا اللہ! اس دشمن ولایت اور منکر فضائل رسالت کو بھی پاکستان کے اس دشمن ولایت اور منکر فضائل رسالت غلام اللہ کی طرح ایسی عبرت ناک سزا عنایت فرما کہ یہ بھی کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور اس کے بدن میں بھی اتنا تعفن، بلکہ اتنے کیڑے پیدا ہوجائیں کہ اس کے بیوی بچے اور ماں باپ بھی اسے دور کرنے لگ جائیں، اور پھر ہم مومنین فضائل رسالت جناب غوث کے فرستادہ ہند کے خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے دشمن پر برسنے والے تیری لعنت کے کوڑے کی روشنی میں کہہ سکیں کہ:　　الاماں قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا　　مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا

واضح ہو کہ ہندوستان کے انگریزی وائسرائے لارڈ کرزن نے خواجہ اجمیر کی ولایت کے بارے میں لندن کی ایک میٹنگ میں کہا تھا کہ میں نے ہندوستان میں ایک قبر کو سارے ہندوستان پر حکومت کرتے دیکھا ہے۔...... **الفضل ما شهدت به الاعداء** ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

آہ! استاذ الشعرا حضرت نازاں فیضی آغوش رحمت میں چل بسے

اسیر غم: ابن نازاں، محمد شاہد رضا الازہری (گیا، بہار)

ممتاز ادیب وشاعر حضرت نازاں فیضی گیاوی مورخہ ۱۲/ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۹/ مئی ۲۰۱۷ء بروز منگل ساڑھے بارہ بجے رات کو پٹنہ کے ایک ہاسپٹل میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ گذشتہ کئی سالوں سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے، اور اپولو ہاسپٹل رانچی میں مسلسل زیر علاج تھے۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر، ایک پختہ قلم نثر نگار اور صائب الرائے تنقید نگار تھے۔ انہیں نظم ونثر دونوں اصناف سخن پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ وہ سال ۱۹۸۵ء کے عشرہ میں کلکتہ سے شائع ہونے والے اخبار ''آزاد ہند'' میں مسلم پرسنل لا کے دفاع میں کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر انجم قدر کی ہفوات گوئی کا حد درجہ علمی اور منطقی مواخذہ کیا، جسے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بے حد پسند فرمایا تھا۔

حضرت نازاں فیضی کا خاندانی تعلق خانقاہ بیت الانوار گیوال بگہہ (گیا، بہار) کے مورث اعلی حضرت علامہ الشاہ نور الہدیٰ قادری گیاوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے تھا۔ حضرت نازاں فیضی حضرت شاہ نور الہدیٰ کے برادر اکبر حضرت صوفی الحاج محمد امیر الدین زمیندار موضع محمد پور (گیا) کے حقیقی پوتے تھے۔ حضرت نازاں فیضی اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے بے حد مخلص، عجز وانکسار کے پیکر، نماز پنجگانہ کے پابند اور اپنی نجی زندگی میں سراپا تقویٰ شعار انسان تھے۔

نماز جنازہ خانقاہ بیت الانوار گیوال بگہہ کے وسیع میدان میں ان کے صاحبزادے مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد فروغ القادری رکن ورلڈ اسلامک مشن لندن (انگلینڈ) نے پڑھائی۔ شرکائے جنازہ نے اپنی اشک بار آنکھوں سے اپنے محبوب نعت گو شاعر اور دین وسنیت کے دفاع میں ہر لمحہ اپنی متاع لوح وقلم کے ساتھ تیار رہنے والے عظیم عاشق رسول کے لیے دعائے مغفرت کی۔ حضرت نازاں فیضی گیاوی کو ان کی وصیت کے مطابق ان کے عم گرامی، استاذ العلما، شیخ طریقت حضرت مولانا الشاہ فیض الہدیٰ قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے قدموں میں ۱۰/ مئی بروز بدھ بعد نماز مغرب سپرد خاک کیا گیا۔

واضح رہے کہ حضرت نازاں فیضی گیاوی کے نعتیہ اشعار اور اہم حساس موضوعات پر ان کے مضامین اہل سنت کے تمام موقر جرائد ورسائل خاص کر ماہنامہ کنز الایمان دہلی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف اور ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی وفات سے پوری جماعت اپنے ایک عظیم شاعر وادیب، ایک عظیم قلمکار اور ایک عظیم انسان سے محروم ہو چکی ہے۔ رب کریم ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے اور اپنی خصوصی مغفرت سے نوازے۔ آمین

اہل سنت وجماعت کے ممتاز علما ومشائخ نے ان کے وصال پر گہرے دکھ درد کا اظہار کیا اور تعزیت پیش کی ہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے   حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

ادارہ پیغام شریعت کے تمام ارکان وممبران حضرت نازاں فیضی گیاوی کی وفات حسرت آیات پر اپنے غم والم کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے پسماندگان خصوصاً مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد فروغ القادری رکن ورلڈ اسلامک مشن لندن (انگلینڈ) ومولانا محمد شاہد رضا الازہری (گیا، بہار) کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ حضرت نازاں فیضی گیاوی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

محمد قاسم القادری مصباحی (دہلی)

R.N.I. NO. DELURD/2015/65657
Publishing Date : 20
Same Month

Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages With Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date : 21 & 22

Paigam E Shariat Monthly

Vol: - 02, Issue : 21 July - 2017

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at : **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from : H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006